مولانا وحید الزماں وقار نواز جنگ رحمۃ اللہ علیہ
کے سوانح حیات اور علمی و عملی کارنامے

از

مولانا محمد عبد الحلیم چشتی

ناشر

نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارتِ کتب۔ آرام باغ۔ کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

فن تراجم یعنی مشہور آدمیوں کا تذکرہ لکھنا مسلمانوں کا خاص فن رہا ہے اور اس فن پر مسلمانوں نے نہایت بیش بہا تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جیسے وفیات الاعیان، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب اور شذرات الذہب وغیرہ یہی وہ کتابیں ہیں جن سے آج خلف سلف کے کارناموں سے واقف ہوتے اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

پاکستان اور ہندوستان کی سرزمین پر محدثین نے حدیث کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ عالم آشکارا ہیں۔ امام حسن صغانی لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) شاہ ولی اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اور شاہ عبدالعزیز (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کی خدمات حدیث محتاجِ بیان نہیں۔

متاخرین علمائے حدیث میں مولانا وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی ایک نئے رنگ سے خدمت کی اور اردو زبان میں حدیث کی ایک نہایت جامع اور مبسوط لغت تیار کی جو اپنی مثال آپ ہے۔ آئندہ اوراق میں اسی عظیم شخصیت کے سوانح حیات اور علمی و عملی کارناموں سے روشناس کرایا گیا ہے۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۷ رجب ۱۳۷۶ھ

مطابق ۱۸ فروری ۱۹۵۷ء

فہرست ابواب

فہرست مضامین حیات وحید الزماں

باب اول

حسب و نسب، تعلیم و تربیت

- آباء و اجداد
- نام و نسب
- ولادت و بچپن
- تعلیم و تربیت
- شیوخِ حدیث
- سندِ حدیث
- مولانا فضل رحمانؒ سے بیعت
- مولانا فضل رحمانؒ کی وصیت
- سفرِ دکن

آبا و اجداد

مولانا وحید الزماں نسباً فاروقی تھے، آپ کے بزرگ بیرونِ ہند (غالباً موجودہ افغانستان) سے آکر ملتان میں آباد ہوگئے تھے۔ ان کے پردادا مولانا احمد ملتانیؒ نے اپنے علم وفضل کی وجہ سے کافی شہرت پائی اور اپنے دور کے ممتاز علما میں شمار ہوئے، ان کے فرزند اور مولانا وحید الزماںؒ کے دادا مولانا نور محمد بھی جید عالم تھے، درس وتدریس میں خاص ملکہ رکھتے تھے اور ملتان میں معقولات کا درس دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی ضرورت سے لکھنؤ وارد ہوئے اہلِ لکھنؤ آپ کے فضل وکمال کا شہرہ پہلے ہی سُن چکے تھے، احباب نے اصرار سے لکھنؤ میں روکا اور مسندِ درس پر لا بٹھایا، آپ کو درس نظامیہ کے تمام پہلوؤں پر عبور حاصل تھا مگر اس دور میں معقولات کا درس ہی منتہائے کمال سمجھا جاتا تھا آپ نے یہاں بھی معقولات کا درس دینا شروع کیا۔ اس مشغلہ نے تازیست پیچھا نہ چھوڑا اور لکھنؤ کی زمین نے گویا پاؤں پکڑ لئے، آخر یہیں انتقال ہوا۔

لکھنؤ میں غالباً ۱۲۲۱ھ (مطابق ۱۸۰۶ء) میں مولانا نور محمد کے فرزند مسیح الزماں جو مولانا وحید الزماں کے والد تھے، پیدا ہوئے، مولانا نور محمدؒ نے ان کی تعلیم وتربیت خود کی اور تمام درسی کتابیں بھی آپ ہی پڑھائیں مگر موصوف کی طبیعت کا میلان تجارت کی طرف تھا چنانچہ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد عنفوانِ شباب ہی میں شادی کے بعد کتابیں چھپوانا شروع کیں اور کچھ عرصہ بعد لکھنؤ میں کشمیری محلہ کے اندر سرائے عنایت علی کے پاس مطبع مسیحائی کے نام سے خود اپنا ایک لیتھو پریس قائم کیا اور بہت سی عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں طبع کر کے شائع کیں، چنانچہ پادری پرکسن کی انگریزی کتاب کا جو دخانی کلوں کے استعمال وغیرہ کے متعلق تھی اردو ترجمہ "بحر الحکمۃ" کے نام سے چھاپا۔ یہ اس موضوع پر اردو زبان میں غالباً سب سے پہلی کتاب ہے اور ترجمہ نہایت سلیس اور رواں ہے۔

خدا نے اس کاروبار میں بڑی برکت دی۔ آپ نے اسی نام سے ایک مطبع محلہ فیلخانہ کانپور میں قائم کیا اور یہاں سے خوب کتابیں شائع کیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہاں کام خوب پھیل گیا تو دونوں جگہ نگرانی کرنا مشکل ہوگیا اور ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء میں یا اس سے کچھ پیشتر لکھنؤ سے کاروبار سمیٹ کر کانپور کو مرکز بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی تجارت میں خوب برکت دی، گودام بنوائے مکانات اور دکانیں خریدیں اور ہزاروں کی تعداد میں قلمی کتابیں جمع کیں، کاروبار خوب چل رہا تھا کہ انہی ایام میں غدر ہوگیا، آپ نے بھی تحریک آزادی میں حصہ لیا، مطبع لٹ گیا، جائدادیں

گورنمنٹ نے ضبط کرلیں اور زندگی میں یہ دور ایسا آیا کہ سب کچھ انقلاب کی نذر ہوگیا۔ آپ کا حوصلہ چونکہ نہایت بلند تھا کوشش کرکے پھر مطبع قائم کرلیا، مگر پہلی سی بات کہاں! آخر آپ ریاست حیدرآباد دکن چلے گئے وہاں مطبع سرکار عالی کے مہتمم اور نگراں مقرر ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء تک اسی عہدہ پر مامور رہے۔

آخری کتاب جو موصوف کے زیر اہتمام مطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن سے طبع ہوئی وہ تحفۃ العالم مؤلفہ عبد اللطیف خان بہادر شوستری ہے جیسا کہ خاتمۃ الکتاب کی عبارت سے ظاہر ہے:

"در بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد باہتمام محمد مسیح الزماں در سن یکہزار و دوصد و نود و چہار ہجری نبوی رونق انطباع پذیرفت۔"

آپ کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا عطاؔ تخلص کرتے تھے، تصنیف و تالیف کا بھی ڈھنگ آتا تھا، اردو سادہ اور رواں لکھتے تھے، چنانچہ غدر سے پیشتر اردو خواں بندیوں کے لئے اردو زبان میں ایک کتاب مکتب نامہ کے نام سے لکھی اور اپنے ہی مطبع سے چھپوا کر شائع کی، یہ چھوٹی تقطیع کے ۸۶ صفحات پر محیط ہے، جلی حروف میں طبع ہوئی ہے اور چار ابواب پر مشتمل ہے جن میں نشست و برخواست، طعام و کلام اور پڑھنے لکھنے کے آداب، نماز روزہ کا ذکر، ماں باپ کا احترام، بچوں کے لئے نصیحتیں نیز مفید حکایتیں اور حساب کتاب کے ضروری قاعدے درج ہیں۔

اس کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو بچوں کی نفسیات سے خوب واقفیت تھی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا ڈھنگ بخوبی جانتے تھے، آپ کی نظم و نثر کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے:-

خدا ایک ہے کوئی اس سا نہیں — وہ کرتا ہے سب کچھ وہ ہے سب کہیں
وہی سب کا معبود ہے لا کلام — کرو یاد تم اس کو ہر صبح و شام
خدا کے ہیں پیارے محمد نبی — ہوئے اُن کی خاطر سے پیدا سب ہی
خدا کی ہو رحمت نبی پر عطاؔ — اور آل اور اصحاب سب پر سدا

نثر:-

"حکایت بارہویں، حضرت فقیہ (نماز روزے کا جس کو علم ہو اُس کو فقیہ کہتے ہیں) علی مخدوم صاحب ماہمی[۱]

---

[۱] یہ لفظ ماہم نہیں بلکہ مہائم بروزن عظائم ہے بمبئی میں ایک جزیرہ ہے جہاں آپ کا مزار ہے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-
اخبار الاخیار، از شیخ عبد الحق محدث دہلوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ ص ۱۷۹۔
مآثر الکرام مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۸ھ ج ۱ ص ۱۸۹۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

قدس سرہٗ بڑے صاحب کمال اور ولی اور بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے، چھوٹپن سے بہت نیک بخت اور بڑے غیرتمند تھے اور اُن کی ماں صاحب نہایت پرہیزگار تھیں اور ہمیشہ عبادتُ بندگی میں مشغول رہتی تھیں اور خدا کی دوست اور مقبول تھیں۔ مخدوم صاحب چھٹپن سے اپنی ماں کی خدمت اور تعظیم اور ادب حد سے زیادہ کرتے تھے ایک رات اُن کی ماں نے پانی پینے کو مانگا، مخدوم صاحب بہت خوشی سے جلدی پیالہ اپنے ہاتھ سے دھو کے اس میں صاف پاکیزہ ٹھنڈا پانی بھر کر والدہ صاحب کے پاس لے آئے۔ دیکھا کہ ان کی آنکھ لگ گئی ہے، مخدوم صاحب پانی ہاتھ میں لئے چپکے کھڑے رہے کہ شاید آنکھ کھُل جائے اور پانی مانگیں لیکن ادب سے ذرا آواز نہ دی کہ ان کی نیند میں خلل نہ آوے، خاموش انتظار میں رات بھر کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہونے کا وقت نزدیک آیا تب اماں صاحب جاگیں دیکھا کہ فرزند سعادتمند پیالہ پانی کا بھرا ہوا ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں پوچھا کہ اے پیارے بیٹے تم کیسے کھڑے ہو۔ حضرت بہت ادب عاجزی سے بولے کہ آپ نے پانی جو وقت طلب کیا تھا اسی وقت میں لے آیا اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی میراجی

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان ملک الکتاب شیرازی، بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ ص ۳۹

ابجد العلوم مطبع صدیقی بھوپال سنہ ۱۲۹۶ھ ج ۳ ص ۸۹۳

اکسیر فی اصول التفسیر از نواب صدیق حسن خاں مطبع نظامی سنہ ۱۲۹۰ء ص ۵۹

محبوب اللباب فی تعاریف الکتب والکتاب مصنف خدابخش طبع حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۱۴ھ

تذکرۂ علمائے ہند تالیف مولوی رحمان علی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۳۳۲ھ ص ۱۴۷

فقہ مخدومی از عبد الحی طبع بمبئی ص ۱۰

تاریخ ادبیات عربی بزبان جرمنی از برو کلمان - ج ۲ ص ۲۲۱

تذکرۂ علماء از محمد حسین آزاد، کریمی پریس لاہور ص ۱۶

خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری مطبوعہ ثمر ہند لکھنؤ سنہ ۱۸۷۳ء ج ۲ ص ۳۵۹

تبصیر الرحمن وتیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن مطبوعہ بولاق سنہ ۱۲۹۵ھ

نزہۃ الخواطر طبع دکن سنہ ۱۳۷۱ھ ج ۳ ص ۱۰۵

یاد ایام تالیف حکیم سید عبد الحی لکھنوی شاہی پریس لکھنؤ ص ۵۲

تاریخ النوائط مولفہ نواب عزیز جنگ، عزیز المطابع حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۲۲ھ ص ۳۵۴ تا ۳۶۰

عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ بزبان انگریزی از ڈاکٹر زبید احمد طبع الہ آباد سنہ ۱۹۴۶ء

معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، مطبعۃ سرکیس مصر سنہ ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۸۸۹

نفحۃ العنبریہ از محمد باقر آگاہ قلمی

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از مصطفی بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفہ استنبول ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء ج ۱ کالم ۳۳۹

الاعلام تالیف خیر الدین زرکلی، المطبعۃ العربیہ، مصر ۱۹۲۷ء/۱۳۴۵ھ ج ۲ ص ۶۵۶

نہ چاہا کہ آپ کو جگاؤں یا چلا جاؤں۔ والدہ صاحب نے جب یہ حقیقت سنی اور اس طرح ان کے ادب کا حال دیکھا تو نہایت خوش ہوئیں اور جانا کہ یہ فرزند بڑا نیک بخت ہے بلکہ خدا کے لطف سے لائق ولایت کے ہے اُن کے دل پر رحمت کا جوش ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھا کے خدا کی درگاہ میں دعا کی کہ اے پروردگار بندہ نواز اس میرے بیٹے کو دونوں جہان میں سرفراز کر اور اپنی محبت میں کامل اور ولایت کی دولت بخش۔ چنانچہ اُن کی دعا مقبول ہوئی اور مخدوم صاحب کو ادب کی برکت اور والدہ صاحب کی دعا سے دین و دنیا کی سعادت حاصل ہوئی۔ خدا کے ولی اور صاحبِ کرامت ہوئے اُن کی رحلت ۸۳۵ھ آٹھ سو پینتیس ہجریہ مقدسہ ہے۔ اس کی تاریخ "جنات الفردوس" ہے (۸۳۵ھ) اُن کا نام جہان میں روشن اور معروف ہے اور ان کی تصنیف کی ہوئیں (کتابیں) عالم میں مشہور ہیں۔ بیت

ادب ہے تاج لطف رب کا اے یار　　　اُسے سر پر رکھے جو ہوئے سردار

خلاصہ اس حکایت کا یہ ہے کہ ادب کو بڑی نعمت جان کر ادب کی باتیں ماں باپ اور استاد سے سیکھے اور ماں باپ کی اطاعت میں ہی اسے دونوں جہان کی دولت حاصل ہوتی ہے"۔[۵۱]

آپ اخیر عمر میں شاہ عبد الغنی[۵۲] بن شیخ ابو سعید[۵۳] مجددی دہلوی سے بیعت ہوگئے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ملازمت چھوڑ کر مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور ۹ ذیقعدہ (روز

---

۵۱ معلم الحساب (معروف بہ) مکتب نامہ مطبع مسیحائی ص ۱۹۔

۵۲ موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

آثار الصنادید از سر سید احمد خاں مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء باب چہارم ص ۱۷

سیر المحتشم مصنفہ غوث محمد خاں والی جاورہ، مطبع سرکاری ریاست جاورہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء ص ۶۲۶

الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی از مولانا محمد بن یحیی پورنوی طبع جید پریس دہلی ۱۳۴۹ھ

ابجد العلوم مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ ج ۳ ص ۹۲۹

الحطۃ فی ذکر صحاح الستہ۔

سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند مولفہ نواب صدیق حسن خاں مطبع شاہجہانی ۱۲۹۳ھ

حدائق الحنفیہ از فقیر محمد جہلمی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۴ھ ص ۴۹۰

تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۲۶

انوار العارفین از محمد حسین قدوسی صابری مراد آبادی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء ص ۵۷۹ تا ۵۸۱۔

تاریخ جدولیہ فی احوال اولیاء اللہ موسوم بنام تاریخی تحفۃ الابرار مؤلفہ آفتاب بیگ عرف محمد نواب مرزا بیگ مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ ج ۵ ص ۱۶

اوجز المسالک الی موطأ مالک، از مولانا محمد زکریا سہارنپوری، مکتبۂ یحیویہ سہارنپور ۱۳۴۸ھ ج ۱ ص ۴۲

(رسالہ) معارف ج ۲۲ شمارہ ۵ ۱۹۲۸ء/۱۳۴۷ھ

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

دوشنبہ) ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو تہتر ۷۳ سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا اور جنت المعلی میں دفن ہوئے سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

پانچ فرزند اور دو دختر آپ نے یادگار چھوڑیں جن کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) بدیع الزماں، (۲) حسام الزماں، (۳) وحید الزماں، (۴) فرید الزماں، (۵) سعید الزماں، (۶) سعید النساء، (۷) رشید النساء۔

نام ونسب محمد وحید الزماں نام، وقار نواز جنگ خطاب تھا، نسباً فاروقی تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے: وحید الزماں بن مسیح الزماں بن نور محمد بن شیخ احمد ملتانی۔ [۱]

ولادت اور بچپن آپ کے بزرگوں کا اصلی وطن گرچہ ملتان تھا مگر آپ کانپور میں پیدا ہوئے سال ولادت ۱۲۶۷ہجری مطابق ۱۸۵۰ء ہے، جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:

"ولادت میری ۱۲۶۷ہجری بمقام شہر کانپور ہوئی۔"[۲]

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از محمد حسن نقشبندی۔ گیلانی پریس لاہور۔ طبع سوم ص ۳۳۵ تا ۳۴۴

ارواح ثلثہ مجموعہ امیر الروایات۔ مطبوعہ یونین پریس دہلی طبع دوم ۱۳۷۰ھ ص ۱۴۷

۵۳ موصوف کے حالات کے لئے دیکھو:-

آثار الصنادید ص ۱۶

ضمیمہ مقامات مظہری از شاہ عبدالغنی مجددی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۳ھ ص ۱۷ تا ۳۸

مفتاح التواریخ مولفہ طامسن ولیم بیل مطبوعہ نولکشور ۱۸۶۷ء/۱۲۸۴ھ ص ۳۹۰

انوار العارفین طبع لکھنؤ ص ۵۷۱ تا ۵۷۳۔

تحفۃ الابرار مطبع رضوی دہلی ج ۵ ص ۱۵

تذکرۂ کاملان رامپور از حافظ احمد علی خاں شوق ہمدرد پریس دہلی طبع اول ۱۹۲۹ء ص ۳

اوجز المسالک الی موطأ مالک ج ۱ ص ۴۳۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۳۱ تا ۳۳۵۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

[۱] مولانا وحید الزماں کا بیان ہے کہ اوپر کے بزرگوں کے نام تحقیق سے معلوم نہیں، غالباً اوپر سے بزرگوں کا سلسلہ خواجہ محمد معصوم بن شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح سے ملتا ہے چنانچہ اپنی خود نوشت سوانح عمری "تذکرۃ الوحید" (طبع دوم مطبع عثمان شاہی حیدر آباد دکن ۱۹۱۹ء ص ۵) میں لکھتے ہیں:-

"ان کے بعد مجھکو بزرگوں کے اسماء بہ تحقیق معلوم نہیں ہوئے لیکن میں نے اپنے والد مرحوم سے یہ معلوم کیا تھا کہ میں شیخ فاروقی ہوں اور چونکہ بزرگوں کا اصلی وطن ملتان تھا جو سرہند کے قریب واقع ہے، اس لئے بہ غلبۂ ظن خواجہ محمد معصوم فرزند حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی کی اولاد ہوں گے، العلم عند اللہ"

مولانا کا یہ کہنا کہ ملتان سرہند کے قریب ہے صحیح نہیں، ملتان اور سرہند میں سینکڑوں میل کی مسافت ہے۔

[۲] تذکرۃ الوحید ص ۲۔

آپ ایک علمی خاندان کے گوہر شب چراغ تھے، جب آنکھیں کھولیں تو ہر طرف علم کا چرچا دیکھا، شیخ مسیح الزماں خود بڑے عالم اور مطبع مسیحائی کے مالک تھے، علم اور اہلِ علم کے قدردان تھے، دولت بھی فراواں تھی بڑے نازو نعم سے پرورش ہوئی، پانچ برس تک والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی، مگر غدر کے زمانے میں شیخ مسیح الزماںؒ نے اہل وعیال کو کانپور سے موضع پنڈریا (جو خیر آباد اودھ کے مضافات میں سے ہے) میں منتقل کر دیا اور پھر سال بھر کے بعد جب حالات اعتدال پر آگئے تو بلالیا اور اس ہونہار فرزند کی تربیت پر خاص توجہ دی۔

تعلیم وتربیت

شیخ مسیح الزماں نے ابتدا میں اپنے بڑے فرزند اور اِن کے بڑے بھائی حافظ بدیع الزماں صاحب کے سپرد کیا، جن سے انھوں نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور خود قرآن مجید کا اردو ترجمہ شروع کرایا اور ساتھ ساتھ اردو فارسی کی کتابیں پڑھانا شروع کیں، سعادتمند فرزند نے جلد ہی اردو فارسی میں اچھی لیاقت پیدا کرلی، آٹھ سال کی عمر میں آپ کو میزان منشعب وغیرہ شروع کرائی گئیں اور سال بھر میں اتنی استعداد پیدا ہو گئی کہ آپ بسہولت عربی عبارت پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے لگے، چنانچہ مولانا کے شاگرد رشید مرزا محمد حسن لکھنوی آپ کی سوانح "لائف سی سالہ" میں لکھتے ہیں:-

"پہلے وحید الزماں صاحب نے قرآن شریف اپنے برادر معظم مولوی بدیع الزماں صاحب سے پڑھا پھر ترجمۂ قرآن شریف، اور اردو کی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھا کئے، یہانتک کہ اردو فارسی میں بخوبی لیاقت پیدا کی، جب آٹھ برس کا سن ہوا تو عربی شروع کی اور میزان منشعب وغیرہ اپنے والد سے پڑھ کر ایک سال کے عرصہ میں عربی عبارت سمجھنا اور اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔"[1]

پھر فن کی حیثیت سے صرف ونحو کی کتابیں مفتی عنایت احمد کاکوروی رح سے پڑھیں مگر تھوڑے عرصہ کے بعد مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا، تو آپ نے موصوف کے نامور شاگرد سید حسین شاہ بخاری مصنف خلعۃ الہنود سے درس لینا شروع کیا اور سال بھر میں علوم صرفیہ اور نحویہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے جیساکہ "لائف سی سالہ" میں مذکور ہے:

"بعد اس کے جناب مفتی عنایت احمد صاحب جو سفر بیت اللہ میں غریق رحمت ہوئے صرف اور نحو کا اکتساب شروع کیا پھر چند روز کے بعد جب مفتی صاحب کی وفات ہو گئی تو ان کے شاگرد رشید مولوی سید حسین شاہ بخاری مصنف خلعۃ الہنود سے درس لیتے رہے چنانچہ ایک سال کے

[1] "لائف سی سالہ" از آغا مرزا محمد حسن لکھنوی، مطبع کرنان حیدر آباد دکن ۱۲۹۸ھ ص ۹

عرصہ میں صرف و نحو سے بخوبی فارغ ہو گئے"[1]

اس کے بعد فقہ کی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور بارہ سال کی عمر میں "شرح الوقایہ" تک پہنچ گئے چنانچہ مولانا کے والد شیخ مسیح الزماں کا بیان ہے:-

"ایامِ طفولیت سے حق تعالیٰ نے برخوردار ممدوح کو لہو و لعب سے بچا کر رغبتِ علوم عطا فرمائی بارہویں برس، بعد تحصیل کتبِ صرف و نحو کے شرح وقایہ عربی پڑھنا شروع کیا"[2]

مدرسۂ فیض عام کانپور میں ائمہ فن سے متوسطات کی تعلیم پائی اور پھر علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کے لئے نامور علماء کے حلقۂ درس میں شرکت کی، چنانچہ منطق مولانا لطف اللہ علیگڈھی سے پڑھی، فقہ کی تعلیم مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی سے پائی، طب کی تحصیل حکیم احمد علی خاں شاگرد حکیم مرزا محمد علی مرحوم سے کی، اور ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں جب کہ پندرہ سال کے تھے، حدیث اور تفسیر کا درس مولانا بشیر الدین قنوجی سے لیا اور حدیث کی سند استاذ الکل میاں نذیر حسین دہلوی ؒ سے ملی، مولانا نے تمام علوم مروجہ کی تکمیل صرف سات سال یعنی پندرہ سولہ برس کی عمر ہی میں کر لی تھی جیسا کہ محمد ادریس نگرامی مولانا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

"جناب مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم، مولوی سید حسین شاہ بخاری، مولانا لطف اللہ علیگڈھی، مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم قنوجی، مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم لکھنوی سے سات سال میں تحصیل علوم متعارفہ فرمائی"[3]

جن اربابِ کمال سے علومِ عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کی ان کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) مفتی محمد عنایت احمد مصنف تاریخ حبیبِ الٰہ[4]۔

---

[1] "لائف سی سالہ" از آغا مرزا محمد حسن لکھنوی، مطبع کرتان حیدرآباد دکن ۱۲۹۸ھ ص ۹

[2] نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ از وحید الزماں، مطبع نظامی کانپور طبع اول ۱۲۸۳ھ ج ۱ ص ۲۴۸

[3] تطییب الاخوان بذکر علمائے الزماں، ملقب بہ "تذکرۂ علمائے حال" طبع اول مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۷ء ص ۹۶

[4] مفتی محمد عنایت احمد بن منشی محمد بخش دیوی الاصل قریشی النسل نزیل کاکوری، ۹ شوال ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء کو بمقام دیوہ ولادت ہوئی ۱۳ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے رامپور گئے مولانا سید محمد رامپوری، مولانا حیدر علی ٹونکی اور مولانا نورالاسلام سے کتب درسیہ پڑھیں پھر دہلی جا کر شاہ محمد اسحاق دہلوی ؒ سے حدیث کی سند لی اور علیگڈھ کی جامع مسجد میں مولانا بزرگ علی المتوفی ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ء سے استفادہ کیا، بعد میں استاد کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور عہدۂ افتاء پر بھی فائز ہو گئے پھر بریلی تبادلہ ہوا یہاں سے اکبرآباد میں صدر الصدور کے عہدہ پر تقرر ہو گیا، روانگی کی تیاری ہو رہی تھی کہ غدر ہو گیا، بریلی اور رامپور میں قیام رہا۔ انہی ایام میں غدر کے الزام میں ماخوذ ہو کر جزیرہ انڈمان (عبور دریائے شور) بھیجے گئے آپ نے وہاں پہنچکر چند کتابیں محض اپنے حافظہ کے بل پر لکھیں (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(۲) محمد سلامت اللہ کانپوری۔[۱]

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

جن میں علم الصیغہ، تواریخ حبیب الٰہ اور نقشۂ مواقع النجوم بہت مشہور ہیں۔ انہی تصانیف کی بدولت آخر وہاں سے نجات پائی اور نقشۂ مواقع النجوم کی وجہ سے مسٹر ٹامسن لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی اور شمالی نے جو علم ہیئت کا عالم اور اہل فن کا قدردان تھا مفتی صاحب کو "خان بہادر" کا خطاب دلوایا۔

آپ نے سنہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں بعض اہل خیر کی توجہ سے کانپور میں "مدرسۂ فیض عام" نامی کھولا اور یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ سنہ ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء میں بہ نیت حج بمبئی سے جدہ کے لئے جہاز پر سوار ہوئے، جدہ کے قریب جہاز چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور ۷ / شوال سنہ ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو آپ نے بھی درجۂ شہادت پایا۔ (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو مرآۃ الاعلام فی ماثر الکرام معروف بہ تذکرۂ مشاہیر کاکوری از محمد علی حیدر علوی، اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء ص ۲۸۹ تا ۲۹۱، اور حیات شبلی طبع اعظم گڈھ نیز رسالہ معارف جلد ۳۱ شمارہ ۲ سنہ ۱۹۳۳ء و ایضاً معارف ج ۶۸ شمارہ ۳ سنہ ۱۹۵۱ء و ایضاً ج ۶۹ شمارہ ۳ سنہ ۱۹۵۲ء۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

[۱] محمد سلامت اللہ بن شیخ برکت اللہ بدایونی ثم کانپوری، آپ نسباً صدیقی، مذہباً حنفی اور مسلک کے اعتبار سے قادری تھے۔ سنہ ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظہر احمد ہے ابتدائی کتابیں مولانا ابو المعالی بن عبد الغنی سے پڑھیں اور پھر متوسطات کی تعلیم مولانا ولی اللہ سے پائی، فنون عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل مولانا محمد مجد الدین عرف مولوی مدن سے کی، بعد ازاں دہلی جا کر شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے حلقۂ درس میں شرکت کر کے حدیث کی سند لی اور والد ماجد کی بیعت میں آل احمد مارہروی کے دست حق پرست پر بیعت کی، شادی کے بعد کانپور آ گئے، درس و تدریس کا شغل اختیار کیا، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، مرزا قتیل سے مشورۂ سخن کرتے تھے، نواب صدیق حسن خاں (تذکرۂ شمع انجمن ص ۴۰۵ میں) لکھتے ہیں:-

"کشفی — مولوی سلامت اللہ صاحب بدایونی نزیل کانپور شاگرد قتیل و فاضل عدیم المثیل دو واعظ خوش تقریر و شاعر جادو تحریر است بحر سطور او را بارہا دیدہ و لطف وعظ دریافتہ در زمرۂ علماء بجیلے خوش صورت و نفیس سیرت بود عمر دراز یافت طبع نظم داشت دیوان شعر مرتب دارد"

سنہ ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء میں کانپور کے محلہ پرانا ناچ گھر کے اندر ایک مسجد تعمیر کرائی اور مدرسہ بنوایا۔ ۳ رجب سنہ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء میں شنبہ کے دن انتقال کیا اور مدرسہ اور مسجد کے احاطہ میں دفن ہوئے، حسب ذیل تالیفات آپ سے یادگار ہیں:-

مولد شریف اردو (مطبوعہ مصطفائی) تحریر الشہادتین، رسالہ شہاب ثاقب در سقوط کواکب، اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام، رقعات کشفی، دیوان کشفی۔ یہ سنہ ۱۲۶۷ھ میں مطبع شعلۂ طور کانپور سے طبع ہو گیا ہے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی از محمد بن یحییٰ پورنوی دار الاشاعت دیوبند سنہ ۱۳۴۹ھ ص ۷۷

ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان مطبع صدیقی بھوپال سنہ ۱۲۹۶ھ ج ۳ ص ۹۱۸

تذکرۂ علمائے ہند ص ۷۷

تذکرۃ الواصلین مولفہ محمد رضی الدین فرشوری، نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۴۵ء ص ۱۶۱

حیات مسیح الزماں شاہجہانپوری تالیف محمد مظفر حسین خاں سلیمانی مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۳۲۹ھ

(۳) محمد عادل کانپوری[۴] (۴) سید حسین شاہ بخاری[۵] (۵) محمد لطف اللہ علیگڈھی[۳] (۶) محمد بشیر الدین قنوجی[۴]

[۱] محمد عادل بن شیخ محی الدین نام ہے، ۱۱ ربیع الآخر ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء میں قصبۂ احمد آباد عرف نارہ میں پیدا ہوئے، تاریخی نام غلام نعیم ہے۔ کتب درسیہ مولانا شوکت علی جہان آبادی، سید الطاف حسین موہانی اور مولانا عبداللہ کانپوری سے پڑھیں مگر سند و اجازت حدیث شاہ سلامت اللہ کانپوری سے ملی۔
اخوند عبدالعزیز الملقب بہ شاہ مقبول احمد دہلوی اور شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بہ میاں صاحب قادری سے خرقۂ خلافت ملا، ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں سید احمد دحلان نے بھی جو حجاز کے نامور اور متبحر علماء میں سے تھے آپ کو سند اجازت ارسال کی تھی۔ اپنے استاد شاہ سلامت اللہ بدایونی کی وصیت کے مطابق کانپور ہی میں شاہ صاحب کے مدرسے میں درس دینا شروع کیا اور تازیست کانپور نہ چھوڑا۔ چند حسب ذیل تصانیف بھی آپ سے یادگار ہیں:۔
تحقیق الکلام فی التداوی بالشئ الحرام، اکتساب الثواب بیان حکم ابدان المشرکین والمواکلۃ مع اہل الکتاب۔
موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔
تذکرۂ علمائے حال ص ۸۱
کلیات جدولیہ فی احوال اولیاء اللہ موسوم بہ تحفۃ الابرار مؤلفہ آفتاب بیگ عرف محمد نواب مرزا بیگ مطبع رضوی دہلی ۱۳۳۳ھ ج ۳ ص ۵۲۔ اور رسالہ عمدۃ الصحائف۔
[۲] آپ مفتی عنایت احمد کاکوروی[رح] کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مفتی صاحب کے مدرسہ فیض عام میں درس دیتے تھے یہیں مولانا وحید الزماں نے آپ سے تعلیم پائی تھی۔ خلعۃ الہنود نامی کتاب آپ سے یادگار ہے (مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۱ھ) اخیر عمر میں بھوپال تشریف لےگئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو: رسالہ معارف جلد ۱۳ شمارہ ۱ (ص ۵۴) وایضاً ج ۶۹ شمارہ ۳ (ص ۳۲)
[۳] موصوف کے حالات کے لئے دیکھو: تذکرۂ علمائے حال ص ۶۹
"استاذ العلماء" از نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی طبع معارف اعظم گڈھ ——— حیات شبلی از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۱۰۳۔ نیز کلام لطف از محمد بدر الدین علوی معارف ج ۳۸ شمارہ ۵ سنہ ۱۹۳۶ء ایضاً معارف ج ۶۸ نمبر ۳ (ص ۲۱۸)۔
[۴] محمد بشیر الدین بن نور الدین قنوجی نام تھا، ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ دو سال بعد باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ نے تعلیم و تربیت کی، فارسی کی ابتدائی کتابیں والد کے ایک شاگرد مولوی عبدالحق صاحب سے پڑھیں اور پھر عربی کی تحصیل کے لئے والدہ سے اجازت لے کر دہلی آئے مگر یہاں بھی حالات سازگار نہ ہوئے اور علیگڈھ چلے گئے یہاں شاہ عبدالجلیل شہید[رح] سے عربی صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں اور پھر دہلی آکر حکیم نیاز احمد سہسوانی کے مطب میں ملازمت کرلی مگر حکیم صاحب کے فرزند کے ساتھ عربی کی تعلیم جاری رکھی اور حدیث کی بیشتر کتابیں حکیم نیاز احمد صاحب ہی سے پڑھیں پھر شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی[رح] کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر میاں نذیر حسین صاحب کے ساتھ حدیث کی سند لی اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی، پھر ڈپٹی امداد علی نے اپنے مدرسہ میں مراد آباد بلالیا، آخر میں بھوپال کے قاضی القضاۃ ہوگئے تھے، مولانا بشیر الدین قنوجی اپنے دور کے نہایت بلند پایہ متکلم اور اصولی تھے ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں وحید الزماں[رح] نے آپ سے حدیث و تفسیر کا درس کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء تک بقید حیات تھے۔ مولانا بشیر الدین قنوجی رح سنت کے شیدا اور بدعت کے سخت مخالف تھے، چنانچہ یہ جو رواج ہوگیا ہے کہ حفاظ جب تراویح میں قرآن مجید ختم کرتے ہیں تو قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھتے ہیں، قرآن و حدیث میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے اس لئے آپ ایسے موقعہ پر حافظ سے نہایت بیباکانہ طور پر فرمادیتے تھے کہ یہ بدعت ہے جیسا کہ مولانا وحید الزماں، وحید اللغات (مادہ "ثلث") میں لکھتے ہیں:۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(۷) مولانا نیاز محمد بخاری[۱]۔ (۸) مولانا عبدالحئی فرنگی محلی[۲]۔ (۹) عبدالعزیز محدث لکھنوی[۳]۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

"مولانا بشیر الدین قنوجی جو میرے شیخ تھے حافظ سے یہ کہدیتے تھے کہ ختم کے وقت قل ھو اللہ احد کو بھی ایک ہی بار پڑھو اور تین بار پڑھنے کو بدعت کہتے تھے"۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد نہایت کثیر ہے، آپ کی چند حسب ذیل تصانیف بھی مشہور ہیں:۔

(۱) غایۃ الکلام فی امر المولد والقیام (۲) کشف المبہم (شرح سلم الثبوت) (۳) تفہیم المسائل رد تصحیح المسائل۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

"تراجم علمائے حدیث ہند" مؤلفہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی طبع دہلی ج ۱ ص ۳۱۹۔

"البدر البصیر فی سوانح مولانا محمد بشیر" قلمی مولفہ بدر الحسن سہسوانی۔ یہ میرے والد ماجد منشی محمد عبدالرحیم خاطر جے پوری المتوفی ۱۳۷۲ھ کی متروکہ کتابوں میں سے احقر کے پاس موجود ہے اس میں موصوف کا جستہ جستہ حال ملتا ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

[۱] مولانا اپنے دور کے نہایت جید عالم تھے فن معقول اور منقول دونوں کی کتابیں خوب پڑھاتے تھے جس کا اندازہ "تاریخ شمسیہ" (مولفہ محمد شمس الدین صدیقی شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ) کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

[۲] ملاحظہ ہو:۔

"الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" طبع اول مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۴ھ ص ۲۲۸

"روضۃ النعیم فی خوارق مولانا عبدالحلیم" از محمد عبدالحمید فرنگی محلی مطبع مینائی لکھنؤ ۱۳۰۵ھ ص ۴۷ تا ۱۲۴۔

"تذکرۂ علمائے ہند" طبع لکھنؤ ص ۱۱۴ - مکاتیب مولانا عبدالحی فرنگی محلی، معارف جلد ۵۸ شمارہ نمبر ۵ (۱۹۴۶ء)

"احوال علمائے فرنگی محلی" از الطاف الرحمٰن مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ ص ۶۳

"تذکرۂ علمائے فرنگی محل" از انعام اسد فرنگی محلی ص ۱۳۱ تا ۱۳۷۔

"فہرست کتب خانہ ریاست رامپور" مطبع سرکار عالی رامپور ۱۹۲۸ء ج ۲ ص ۲۳۰، "ارواح ثلاثہ" مرتبہ ظہور الحسن ص ۳۷۷۔

"معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ" از یوسف الیان سرکیس، مکتبہ سرکیس مصر ۱۹۳۱ء ج ۲ ص ۱۵۹۵۔

[۳] عبدالعزیز بن غلام احمد نام ہے ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء میں بمقام فرخ آباد پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر عربی صرف و نحو کی کتابیں ہدایت اسد صفی پوری سے پڑھیں اور منطق میں صرف قال اقول، حدیث و فقہ کی کتابیں دیگر اساتذۂ وقت سے پڑھیں۔ عبدالحق نیوتنوی سے بلوغ المرام، مولانا حسین احمد ملیح آبادی سے صحیح بخاری اور سراج الدین سے سنن ابی داؤد کا درس لیا، سید احمد دحلان اور عبدالحئی نیوتنوی سے حدیث کی سند لی۔

آپ کے حلقہ درس میں جن بھی آکر حدیث پڑھتے تھے چنانچہ مولانا وحید الزماں وحید اللغات (مادہ جُنّ) میں آپ سے ناقل ہیں:۔

"ہمارے شیخ حافظ عبدالعزیز صاحب مرحوم محدث لکھنوی بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس ایک جن حدیث پڑھنے کو آیا کرتے تھے"۔

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں ریاست حیدرآباد سے وظیفہ مقرر ہوگیا تھا وہیں سکونت اختیار کرلی تھی ۸۵ سال کی عمر پاکر ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا مولانا کے سوانح کے سلسلہ میں موصوف کے نبیرہ حکیم خواجہ محمد اسماعیل ذبیح کا بیان (جو "روح بیداری" مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج حیدرآباد دکن میں ہے) پڑھنے کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں:۔

(باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(۱۰) عبدالحق نیوتنوی۔[ۜ۵]

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

"میرے حقیقی دادا، حضرت مولانا عبدالعزیز محدث لکھنوی مصنف "بشارت محمدی" و "دین محمدی" وغیرہ اعلیٰ حضرت نواب افضل الدولہ بہادر مغفرت مکان کے دور حکومت میں ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں حیدر آباد تشریف لائے، فرمانروائے وقت کی فیاضیوں اور جوہر شناسیوں نے بلا کسی خدمت کے وظیفہ جلوسی مقرر فرما دیا، اس کے بعد دارالتراجم کتب دینیہ کی رکنیت پر بھی مامور ہو گئے، ایک ماہانہ رسالہ "اخبار محمدی" بھی محلہ رین بازار حیدر آباد سے نکالتے رہے، آخر حیات تک حیدر آباد ہی میں مقیم رہے، خانوادۂ شاہی اور سلطنت ابد قرار آصفیہ کے حق میں دست بدعا اور اپنے مشاغل حسنہ میں مصروف رہ کر (۸۵) سال کی عمر میں ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں یہیں انتقال فرمایا اور محلہ رین بازار حیدر آباد ہی میں آسودۂ خاک ہیں۔ حضرت مرحوم کی کل اولاد جن میں ایک میں بھی ہوں ابتک اسی طرح وابستۂ دامن دولت چلی آتی ہے موجودہ افراد بھی کسی نہ کسی گزیٹڈ یا نان گزیٹڈ خدمت پر مامور و کارگذار ہیں، یا کسی تعلیم گاہ سرکار عالی میں زیر تعلیم۔ خود میرا تقرر حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ کے فرمان مبارک کے امتثال و تعمیل میں ہوا ہے۔"

نیز ملاحظہ ہو، تذکرۂ علمائے حال ص ۴۵۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

سلہ عبدالحق بن فضل اللہ نام ہے آپ کے والد کی بود و باش چونکہ بنارس میں تھی اس لئے بنارسی کہلاتے ہیں اور ولادت ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء میں قصبۂ نیوتن ضلع اناؤ میں ہوئی، اس بنا پر نیوتنوی سے بھی مشہور ہیں۔ بچپن ہی میں حدیث سے لگاؤ پیدا ہو گیا اور اس کی تحصیل کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، دہلی جا کر شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث پڑھی۔ سید احمد شہیدؒ کی معیت میں حج ادا کیا ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں صنعاء یمن چلے گئے اور قاضی شوکانی سے حدیث کی سند لے کر ہندوستان آئے، ملا عابد سندھی مدنی اور عبداللہ بن محمد اسماعیل الامیر سے بھی روایت حدیث کی اجازت ہے۔ سنت کے تتبع اور توحید کے بڑے دلدادہ تھے، مزاج کے بھی تیز تھے تقلید اور عدم تقلید کے مسائل میں بڑے متشدد تھے مگر اس کے باوجود بعض مسائل میں احناف کے ہمنوا بھی تھے۔ فجر کی نماز میں اسفار کے قائل تھے۔ چنانچہ مولانا وحید الزماں، وحید اللغات مادہ "سفر" میں لکھتے ہیں:۔

"اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر" کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز میں طول کرو یعنی لمبی لمبی سورتیں پڑھو، یہانتک کہ اس وقت ختم ہو جب خوب روشنی ہو جائے، اس میں زیادہ ثواب ہے۔ مترجم کہتا ہے میرے شیخ عبدالحق نیوتنوی تغمدہ اللہ بغفرانہ وافاض علینا من برکاتہ اس حدیث کا یہی مطلب کہتے تھے اور یہی صحیح ہے۔"

سات مرتبہ حج کیا۔ مولوی رحمان علی کا بیان ہے ۸ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو حج کی نیت سے بمبئی پہنچے یہیں انتقال ہوا اور مسجد الخیر میں دفن ہوئے لیکن نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں قیام عرفات و مزدلفہ کے بعد منیٰ میں انتقال فرمایا۔ چونکہ نواب صدیق حسن خاں موصوف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اس لئے نواب صاحب کا بیان زیادہ معتبر ہے۔[ع۵]

رد تقلید میں الدر الفرید فی المنع عن التقلید نامی رسالہ لکھا تھا جس کا رد سوار الطریق کے نام سے مولانا تراب علی لکھنوی نے عبدالقادر سندیلوی کے نام سے لکھا تھا۔

ملاحظہ ہو:۔

"سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند" از نواب صدیق حسن خاں مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ ص ۳۵۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

ع۵ ہمارے خیال میں یہاں تصحیف ہوئی ہے۔ مسجد الخیف کو مسجد الخیر اور منیٰ کو بمبئی پڑھا گیا ہے جس سے یہ تضاد نظر آتا ہے۔

شیوخِ حدیث

جس طرح مولانا نے فنون عقلیہ اور نقلیہ ائمہ فن سے حاصل کئے اسی طرح علمِ حدیث کو بھی جو تمام علوم کا سرتاج ہے وقت کے نامور محدثین سے حاصل کیا جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔[ف۱]

(۲) شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی۔[ف۲]

(۳) محمد بشیر الدین قنوجی۔

(۴) حافظ عبد العزیز محدث لکھنوی

(۵) مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی۔[ف۳]

ہندوستان کے باہر جن محدثین سے حدیث کی سند لی وہ یہ ہیں:-

(۶) شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم الشرقی الحنبلی۔[ف۴]

(۷) شیخ بدرالدین مدنی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

"ابجد العلوم" ج ۳ ص ۸۷۰

"تذکرۂ علمائے ہند" ص ۱۱۰

"امام شوکانی" از محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مکتبہ عتیقہ تاندلیانوالہ ضلع لائلپور۔

"جماعت مجاہدین" مولفہ غلام رسول مہر۔ ص ۲۸۴۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

ف۱ "تذکرہ علمائے حال" ص ۹۲

"الحیات بعد الممات" از فضل حسین مظفرپوری مطبع اکبری آگرہ ۱۳۲۶ھ

"ارواح ثلاثہ" ص ۱۵۵

"حیات شبلی" طبع اعظم گڈھ ص ۳۵۔ دارمغانِ احباب از حکیم سید عبد الحیٔ لکھنوی۔ رسالہ معارف جلد ۴۳ شمارہ ۱ (ص ۹ تا ۱۱) نیز ایضاً جلد ۴۳ شمارہ ۲ (ص ۹۴ و ۹۹ تا ۱۰۱)

ف۲ ملاحظہ ہو: "سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند"

"قرۃ العین من فتاوی الشیخ حسین" شمس المطابع لکھنؤ ۱۹۲۱ء

"امام شوکانی" از عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔

"فہرست کتب عربیہ" کتب خانہ ریاست رامپور۔ ج ۲ ص ۳۰۵

"تذکرۂ علمائے حال" ص ۲۲

ف۳ "فضل رحمان" یہ آپ کا تاریخی نام ہے جس سے بارہ سو آٹھ ۱۲۰۸ھ (م ۱۷۹۳ء) نکلتے ہیں، یہی سالِ ولادت ہے۔ ملاحظہ ہو: "تذکرۂ علمائے ہند" ص ۱۶۳۔

(باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

سندِ حدیث میاں نذیر حسین محدث دہلوی - شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی - شیخ احمد بن عیسیٰ ابن ابراہیم شرقی حنبلی اور مولانا بدرالدین مدنی رحمہم اللہ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر تمام مرویاتِ حدیثیہ کی اجازت دی تھی، میاں نذیر حسین دہلوی اپنی سند میں تحریر فرماتے ہیں:-

لقد اجزت لجمیع مرویاتی من کتب الحدیث اعنی الصحاح الستۃ وغیرھا للمولوی الالمعی الذی لہ رأی صائب وذھن ثاقب وحید الزمان ابن مسیح الزمان الخ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

"تذکرۂ علمائے حال" ص ۷

"ارشادِ رحمانی و فضلِ یزدانی" از محمد علی مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ

"تواریخ نامہ" اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۱۳ھ

"ریاض افکار" از شیخ احمد بلگرامی طبع دہلی سنہ ۱۳۱۵ھ نیز رسالہ حسنِ معاملہ مطبع انصاری دہلی و شہرۂ آفاق از نور الحسن احمدی مطبع انصاری دہلی۔

"تذکرۃ الانساب" از سید عبدالفتاح المعروف بہ اشرف علی نقوی افضل المطابع دہلی سنہ ۱۳۲۲ھ ص ۷

"مصباح العاشقین" از ظہور احمد شاہجہانپوری مطبع انتظامی کانپور سنہ ۱۳۲۴ھ

"تذکرۃ المتقین فی احوال خلفاء سید بدیع الدین" از محمد امیر حسن مداری مطبع قیومی کانپور - ص ۱۷۵

"حیاتِ شبلی" طبع اعظم گڈھ ص ۳۰۲ - و "فہرس الفہارس" از محدث عبدالحی الکتانی طبع فاس سنہ ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۱۱۸)۔

"ارواحِ ثلاثہ" ص ۳۲۶ نیز "نقشِ حیات" (خود نوشت سوانح) از شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد مدنی طبع دہلی سنہ ۱۹۵۳ء

سکہ شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم الشرقی الحنبلی، نہایت خدا رسیدہ بزرگ اور صاحب فضل و کمال تھے اجلہ شیوخ حدیث سے حدیث پڑھی اور سند لی تھی، آپ کی سند اپنے دور میں نہایت اعلیٰ سمجھی جاتی تھی چنانچہ مولانا وحید الزماں نے تسہیل القاری کے مقدمہ میں اپنی روایتِ حدیث کی اسانید کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں موصوف کی سند سے امام بخاری تک صرف ۱۳ واسطے ہوتے ہیں جو اس بعد زمانی میں باغنیمت ہے۔ آپ طرابلس کے رہنے والے تھے، مکہ معظمہ آکر آباد ہو گئے تھے یہیں حدیث کا درس دیتے اور کتابتِ حدیث اور کھجوروں کی تجارت سے گذر بسر کرتے تھے، مولانا وحید الزماں نے وحید اللغات (مادہ "ضعضعۃ") میں موصوف کے متعلق جو لکھا ہے اس سے آپ کی خدا رسی، دنیا سے بے رغبتی، علوم دینیہ سے شیفتگی کا اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی خانگی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے، فرماتے ہیں:-

"اپنی تمام عمر میں میں نے سوا ایک شخص کے کامل اور سچا عالم اور فقیر کسی کو نہیں پایا اور وہ ہمارے شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم تھے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اُن کو پانسو ریال بارہ سو روپے کلدار بھیجے۔ انھوں نے سب کے سب واپس کر دیئے اور فرمایا الحمد للہ میں غنی ہوں مجھ کو روپیوں کی احتیاج نہیں ہے کھجور کی تجارت سے اپنا مایحتاج پیدا کر لیتا ہوں اگر نواب صاحب اپنی تصانیف میں سے کوئی دینی کتاب مجھ کو تحفہ بھیجیں گے تو میں بخوشی اس کو قبول کروں گا۔ آپ سارے دن حدیث شریف کی کتابت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے اور ایک غلام (خادم) آپ کا کھجور کی تجارت میں مصروف رہتا اور زائرین اور واردین کی خدمت بھی ادا کرتا اسی میں سے خود بھی کھاتے اس کو بھی کھلاتے جو آپ پہنتے وہی اس کو بھی پہناتے آپ کے پاس اور آپ کے غلام کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑے کا تھا۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اسی طرح شیخ احمد بن عیسیٰ حنبلی نے مولانا کو ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں مکہ معظمہ میں اپنے قلم سے لکھ کر جو سند دی تھی وہ مولانا کی کتابوں میں کہیں رل مل گئی اور تالیفِ تذکرہ کے وقت نہ مل سکی ورنہ وہ بھی پیش کی جاتی۔ البتہ شیخ بدر الدین[۱] نے ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۳ء میں جو حدیث کی سند دی تھی وہ تبرکاً درج ذیل ہے:-

نحمدك اللهم على متواتر آلائك ونشكر على مسلسل نعمائك ونسئلك متصل الصلوات على المرفوع من بين المخلوقات وعلى آله المشهورة اخبارهم واصحابه المستفيضة آثارهم،

امابعد فان الاسناد من الدين والاخذ به متمسك بالحبل المتين فمن ثم عكف اهل العلم عليه وتوجهت مطايا هممهم اليه ولما كان منهم مولانا المولوى وحيد الزمان بن[۲] حضرة المولوى مسيح الزمان الحيدرابادى وفقه الله تعالى لارشاد العباد واسهل لنا وله طريق السداد آمين

طلب منى الاجازة التى هى امانة عند اقتحام المفازة ولست اهلا ان أُستجاز وهل يقال بهذا الجواز الا انه حسن فى ظنه اثابه الله تعالى على قصده الجنة فاجزته بالمعقول والمنقول من فروع واصول والاحاديث الشريفة والآثار المنيفة كما اجازنى بذلك فضلاء العصر وجهابذة مصر منهم بحر الفضلاء مغترف الفحول والنبلاء افضل من[۳] يتلقى عنه العلامة الشيخ ابراهيم السقا عن الامام المهذب العلامة الشيخ ثُعيلب عن العلامة الشهاب الملوى

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

جمعہ کے روز اسی کو دھو کر صاف کر کے پہن لیتے جب وہ پھٹ جاتا تو بازار جا کر دوسرا جوڑا ایک اپنے لئے اور ایک غلام کے لئے خریدتے اور پرانا جوڑا خیرات کر دیتے۔"

اگر کبھی وقت فارغ ہوتا تو وہ تصنیف و تالیف میں گذرتا۔ چنانچہ مولانا وحید الزماں کی کتاب الانتصار فی الاستواء پر کسی مدراسی عالم نے کچھ اعتراض کیے تھے ان کا جواب موصوف نے لکھا جو مصر میں چھپ کر شائع ہوا جیسا کہ وحید الزماں وحید اللغات (مادہ "جہم") میں لکھتے ہیں:-

"ایک مدراسی مولوی نے اس کتاب (الانتصار فی الاستواء) پر کچھ اعتراضات کئے تھے اس کا جواب مفصل مولانا شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم نے دیا اور وہ مصر میں چھپ گیا ہے۔"

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

۱ھ تذکرة الوحید۔ ص ۹

۲ھ وفى الاصل وحيد الزمان بن جناب حضرة المولوى مسيح الزمان الخ

۳ھ وفى الاصل افضل من عنه يتلقى ۱۲

ذی النور فی الدیجور عن الامام الشیخ عبد اللہ بن سالم صاحب الثبت المشہور
وعن العلامۃ الشیخ محمد الامیر عن والدہ الشیخ الکبیر وقد حوی ثبتہ الاسانید
بما لا یحتاج الی مزید فروی صحیح الامام البخاری عن العلامۃ الشیخ علی الصعیدی
حال قرأتہ بالجامع الازہر عن الشیخ محمد عقیلۃ المکی عن الشیخ حسن بن علی العجیمی
عن بن العجل الیمنی عن الامام یحیی الطبری قال اخبرنا البرہان ابراہیم بن محمد
ابن صدقۃ الدمشقی عن الشیخ عبد الرحمن بن عبد الاول الفرغانی عن ابی عبد الرحمان
محمد بن شاذان بخت الفرغانی بسماعہ لجمیعہ علی الشیخ ابی لقمان بن مقبل شاھان
الخُتلانی عن محمد بن یوسف الفربری عن جامعہ۔

واروی[1] صحیح مسلم عن الشیخ علی السقاط عن الشیخ ابراہیم الفیومی عن الشیخ
احمد الغرقاوی عن الشیخ علی الاجھوری عن الشیخ نور الدین علی القرافی عن الحافظ
جلال الدین السیوطی من البلقینی عن التنوخی عن سلیمان بن حمزۃ عن ابی الحسن
علی بن نصر عن الحافظ عبد الرحمٰن بن مندۃ عن الحافظ ابی بکر محمد بن عبد اللہ
عن مکی النیسابوری عن الامام مسلم واوصی المجاز المشار الیہ نظر اللہ تعالٰی
بعین العنایۃ الیہ بمجاھدۃ النفس وتفریغ القلب عن الاغیار وتطہیرہ عن
سفاسف ھذہ الدار وبملازمۃ الافکار الماثورۃ والادعیۃ المشہورۃ والاکثار
من الصلوۃ والسلام علی خیر الانام مع المشاھدۃ المعنویۃ المنتجۃ للمجالسۃ
الحسیّۃ والمرجو من الشیخ المذکور ضاعف اللہ لنا ولہ الاجور ان لا ینسانی
عن دعوۃ صالحۃ جعل اللہ تجارۃ الجمیع رابحۃ وامدنا بالمدد[2] الاسنیٰ وختم لنا
بالحسنیٰ۔ کتبہ الفقیر محمد بدر الدین عفی عنہ آمین[3]۔

اسی طرح شیخ حسین عرب نے بھی تمام کتب حدیث کی تحریری سند عطا کی تھی، مگر وہ بھی کتابوں میں اِدھر اُدھر ہو گئی اور نظر ثانی کے وقت مولانا کو نہ مل سکی۔

مولانا وحید الزماں کو مذکورۂ بالا مشائخ حدیث کی سند سے جو حدیثیں پہنچیں ان سب میں شاہ عبد العزیزؒ تک دو واسطے ہیں لیکن مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے جو ایک حدیث مسلسل بابیعت

[1] وفی الاصل راوی صحیح مسلم۔
[2] وفی الاصل وامدنا بالمدد واسنیٰ۔
[3] تذکرۃ الوحید ص ۹

آپ نے سنی اس سے شاہ صاحبؒ تک صرف ایک واسطہ رہ جاتا ہے اور شاہ عبد العزیزؒ سے بیک واسطہ تلمذ حاصل ہو جاتا ہے جو کچھ کم باعثِ فخر نہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں:-

"مولانا (فضل رحمان گنج مراد آبادی) نے ایک حدیث مسلسل بالبیعۃ الراحمون یرحمھم الرحمان ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء، مولانا شاہ عبد العزیز صاحب سے سنی تھی وہ ہاتھ پکڑ کر مجھ کو سنائی تو یہ حدیث صرف ایک ہی واسطہ سے مجھ کو شاہ عبد العزیز صاحبؒ دہلوی سے پہنچی جو نہایت اعلیٰ سند ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک"[۵۱]

مولانا فضل رحمانؒ سے بیعت

موصوف نے مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے بیعت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے مگر یہ نہیں بیان کیا کہ یہ سلسلۂ ارادت کب قائم ہوا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر دین میں استقامت اور اصلاحِ باطن کے لئے مولانا فضل رحمانؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ مولانا نے سلسلۂ قادریہ میں اذکار و اشغال کی تعلیم و تلقین کی۔ والد ماجد نے آپ کو حیدر آباد دکن بُلا لیا مگر آپ نے خط و کتابت سے یہ رشتہ برابر قائم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ نے موصوف کو سلسلہ نقشبندیہ میں بھی داخل کر لیا تھا جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:-

"پھر مولانائے مرحوم (فضل رحمان گنج مراد آبادی) نے مجھ کو اپنے دست خاص سے یہ لکھ کر بھیجا "شمارا در طریقہ نقشبندیہ ہم داخل نمودم"[۵۲]

مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے مولانا وحید الزماںؒ کو بڑی عقیدت تھی، زندگی میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے مگر حیرت ہے مولانا گنج مراد آبادی سے روز اول سے جیسی عقیدت ہوئی تا دم مرگ ویسی ہی قائم رہی۔

جہاں کہیں مولانا گنج مراد آبادیؒ کا ذکر کرتے یا ان کی نصیحت اور موعظت نقل کرتے ہیں تو بڑی شیفتگی اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ تبرکاً دو واقعے یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں جس سے ناظرین کو مولانا کی عقیدتمندی اور مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کے علوِ مرتبت کا اندازہ ہو سکے گا، فرماتے ہیں:-

---

۵۱ تذکرۃ الوحید - ص ۱۵

۵۲ تذکرۃ الوحید - ص ۱۴

"مولانا فضل رحمان صاحب مرحوم کے پاس مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی گئے تو اُن کے لئے چارپائی سے اُتر آئے اور بیحد خاطر داری کی اور نواب شمس الامرا[1]، امیر کبیر خورشید جاہ بہادر جو حیدر آباد کے امرائے عظام میں سے تھے گئے تو ان کی طرف کچھ بھی التفات نہیں کیا اور نہ تعظیم کی۔"[2]

ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے مولانا فضل رحمان ؒ کے شانِ توکل اور مہمان نوازی پر روشنی پڑتی ہے، فرماتے ہیں :-

"ہمارے مرشد مولانا فضل رحمان مراد آبادی روپیہ اور جنس قرض لیکر مسافروں کی ضیافت اور مہمان پروری کرتے تھے۔ بظاہر کوئی جائداد نہیں رکھتے تھے توکل بخدا رکھتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اُن کا کل قرضہ انتقال کے تیسرے روز اپنے ایک بندے کے ذریعہ سے ادا کرا دیا۔"[3]

مولانا فضل رحمان ؒ کی وصیت

فرماتے ہیں :-

"ہمارے شیخ مولانا فضل رحمان صاحب نے ہم کو یہ وصیت کی تھی کہ دیکھو ہمیشہ دنیاداروں کے لباس میں رہ کر اچھا کھانا اور اچھا پہنتے رہنا کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم فقیر یا درویش ہو بلکہ لوگ یہ کہیں کہ ان کو درویشی سے کیا علاقہ اور دل میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد رکھو، درویش صفت باش و کلاہ تتری دار[4]"۔

سفرِ دکن

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں آپ کے والد مسیح الزماں نے حیدر آباد دکن بُلایا، چنانچہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۲۸۳ھ کو آپ بخیر و عافیت حیدر آباد دکن پہنچ گئے، یہاں بھی ارباب کمال سے اکتساب علم میں مشغول رہے جیسا کہ مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے :-

"پھر ماہ شوال ۱۲۸۳ھ میں حسب الطلب اپنے والد ماجد مولانا مسیح الزماں کے حیدر آباد دکن روانہ ہوئے اور ۱۰ ذیقعدہ ۱۲۸۳ھ کو مع الخیر حیدر آباد دکن پہنچے اس وقت سن شریف پندرہ برس کا تھا۔ پھر ایک مدت تک حیدر آباد میں بھی خالی نہیں رہے بلکہ متعدد علماء اور مشائخ کبار سے تحصیل علوم میں مصروف رہے۔"[5]

؎

---

[1] موصوف کے حالات کے لئے دیکھو، مرحبہ شمسیہ مؤلفہ محمد امام غلام خان مطبوعہ خورشید پریس حیدر آباد دکن ۱۲۸۰ھ ۱۲
[2] وحید اللغات مادہ "نزل"۔ ۱۲
[3] وحید اللغات مادہ "عزم" ۱۲
[4] " مادہ "غمض" ۱۲
[5] لائف سی سالہ۔ ص ۱۰۔ ۱۲
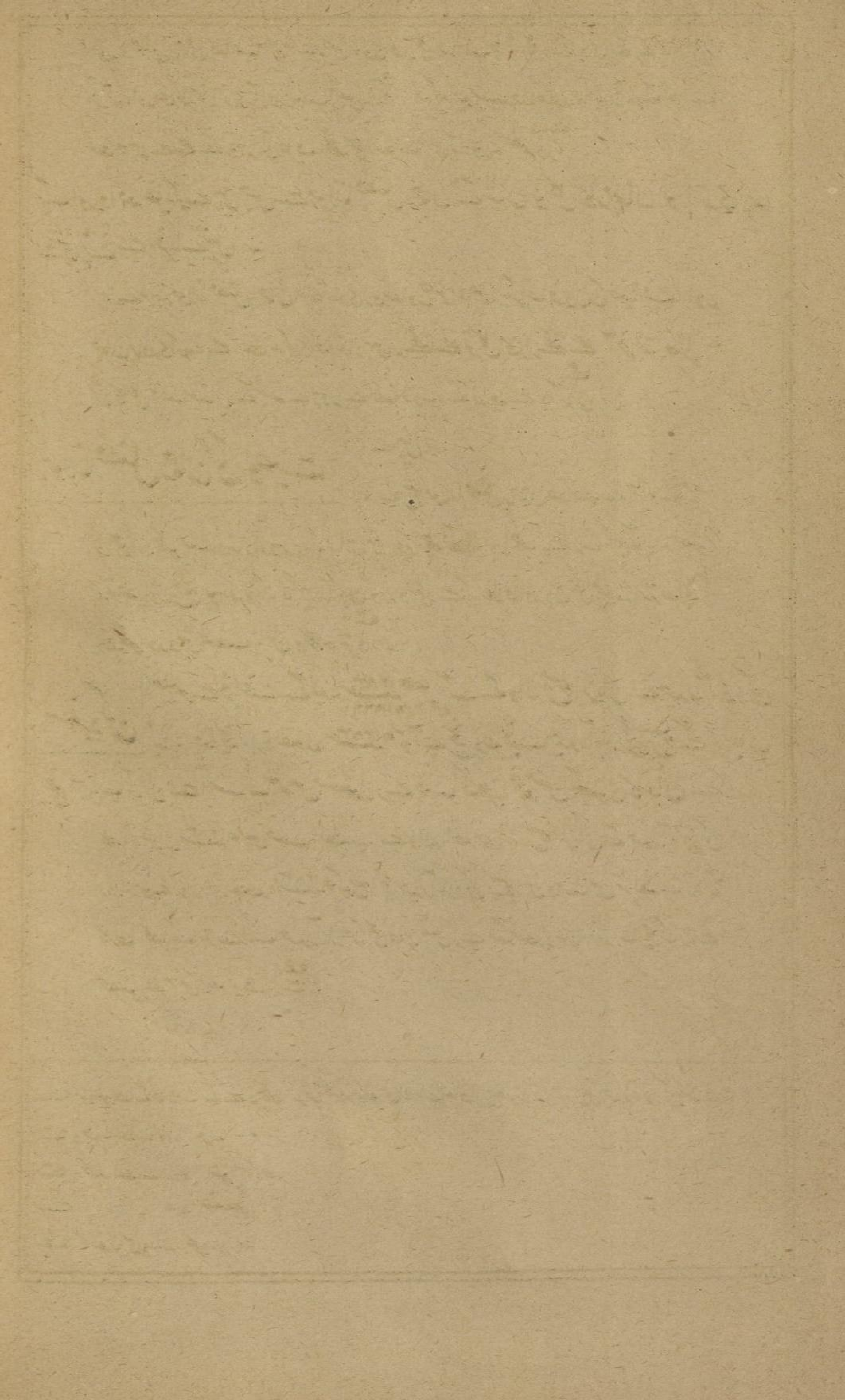
باب دوم

ملازمت

- ایک شدید علالت
- سفرِ حج
- دلائل الخیرات کی سند
- ازدواجی زندگی
- حجاز کا دوسرا سفر
- اکابر علماء سے ملاقاتیں
- والد اور فرزند کا انتقال
- حجاز سے واپسی اور عہدہ میں بتدریج ترقی
- وقار نواز جنگ کا خطاب
- حصولِ منصب سے بے نیازی
- نواب وقار الامراء سے پہلی ملاقات
- دورانِ ملازمت میں ایک نازک وقت

مولوی مسیح الزماںؒ حیدر آباد دکن میں مطبع سرکاری کے مہتمم اور نگراں تھے، بعض امراء سے بھی اچھے مراسم تھے۔ جب آپ کو حیدر آباد بلالیا تو کچھ عرصے کے بعد مختار الملک بہادر (جو عدالت سرکارِ عالی کے معتمد تھے) کے پاس ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں بمشاہرہ پچیس روپیہ ماہوار ملازم کرادیا اور مولانا اپنے فرائضِ منصبی بخوبی انجام دینے لگے[1]۔

ایک شدید علالت

ابھی ملازم ہوئے دو سال ہی گزرے تھے کہ حیدر آباد میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی اور مولانا بھی اس مرض میں مبتلا ہوگئے، خدا نے خیر کی اس مرض سے نجات ملی، مگر صحت خراب ہوگئی، چنانچہ لکھتے ہیں:-

لما انتقلت من الوطن الی بلاد دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن فما مضی علی الایام خالیۃ ما کانت آنسۃ ولا مالیۃ ولم یرتفع عنی غثاث السفر واطلب مندیومئذ این المفر ما زادت اللیالی الا وصبا ولقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا اذا ابتلیت فی الصفر المظفر من سنۃ الف ومائتین وست وثمانین من ھجرۃ سید المرسلین فی مرض الھیضۃ الوبائیۃ التی جری فیہ الاسہال و الاستفراغ حتی زالت قوۃ القلب والدماغ وارتفعت ایدی الیاس والرجاء داعیۃ الی السماء واوشک ان تنشب الموت الاظفار والمخالب ویتبعد نی عن الاحباب والاقارب ولکن لما کانت حیاتی الی ایام قدرا مقدورا وکان ذلک فی الکتاب مسطورا شفانی وعافانی[2] وذھب الباس وزال

جب میرا وطن سے حیدر آباد جانا ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو شرور وفتن سے محفوظ رکھے، تو کچھ زمانہ یونہی گزرا نہ وہاں کچھ دلبستگی کا سامان ہوسکا اور نہ دلجمعی میسر آسکی اور سچ پوچھو تو ابھی سفر کا خمار بھی نہیں اترا تھا، اسی سوچ میں تھا کہ کدھر جاؤں یعنی پریشان خاطری تھی کہ زمانے نے ایک اور ابتلا میں مبتلا کردیا، اور ہمیں اس سفر میں یہ ملا کہ ماہ صفر ۱۲۸۶ھ میں ہیضہ کے اندر دست اور قے لگ گئے۔ دل ودماغ کی قوت بھی جاتی رہی، صحت اور تندرستی کی دعا کے واسطے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے کیونکہ قریب تھا کہ موت اپنے پنجے گڑھو دے اور دوستوں اور عزیزوں سے ہمیشہ کے لئے جدا کردے لیکن زندگی کے دن مقرر اور متعین ہیں وہ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے نجات دی اور صحت عطا کی، خطرہ جاتا رہا، اندیشہ ختم ہوگیا، حواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی۔

---

[1] نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۴ھ ج ا ص ۲۴۷۔ ۱۲

[2] وفی الاصل عفانی ۱۲

الیاس واجتمعت الحواس۔[۱]

سفرِ حج مولانا کے گھر کا ماحول تمام تر اسلامی تھا قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رہتا تھا اس وجہ سے بچپن ہی میں سرورِ کائنات کی ذات ستودہ صفات سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، پھر علوم دینیہ کی تحصیل، علمار کی صحبت اور مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کی نگاہ فیض اثر نے اس مے کو اور بھی دو آتشہ کر دیا تھا، چنانچہ عنفوان شباب ہی میں ملازمت کے ٹھیک تین سال کے بعد والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ گئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد حیدرآباد واپس آگئے۔[۲] مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے :-

"پھر اواخر ۱۲۸۶ھ میں جب عمر شریف انیس[۱۹] برس کی تھی بھمراہی اپنے والد ماجد کے حرمین شریفین کی زیارت کو روانہ ہوئے اور حج اور زیارت سے مشرف ہو کر مختلف بلاد اور امصار کا دورہ کیا اور بڑے بڑے مشائخ کرام اور علمائے عظام سے استفادے فرمائے، یہاں تک کہ ۱۲۸۸ھ میں پھر حیدرآباد میں داخل ہوئے۔"[۳]

اس سفر میں مولانا مدینہ جاتے ہوئے عسفان بھی ٹھیرے تھے، فرماتے ہیں :-

"عسفان دوسری منزل ہے مکہ سے مدینہ کو جاتے ہوئے، ۱۲۸۷ھ میں جب میں مکہ سے مدینہ کو جارہا تھا تو عسفان میں ٹھہرا سخت گرمی تھی لیکن وہاں تربوز (صجب[۴]) ایسے عمدہ ملے کہ سبحان اللہ بہت ارزاں اور نہایت شیریں، اُن کے کھانے میں وہ لذت ہوئی جو بیان نہیں ہو سکتی۔"[۵]

دلائل الخیرات کی سند اسی سال ارکانِ حج کی ادائیگی کے بعد جب مدینہ جانا ہوا اور وہاں کچھ عرصہ قیام رہا تو آپ نے دورانِ قیام میں دلائل الخیرات کے مشہور حافظ اور صاحبِ نسبت بزرگ شیخ علی بن یوسف ملک باشلی حریری سے دلائل الخیرات کی سند لی،

---

۱ اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار مطبع مصطفائی ۱۲۸۸ھ ص ۱۳

۲ تذکرۃ الوحید۔ ص ۳۔

۳ لائف سی سالہ۔ ص ۱۱۔

۴ صجب، کتابت کی غلطی ہے یہ لفظ جُبْجُب ہے چنانچہ سید اوحد الدین بلگرامی "نفائس اللغات" (مطبع مصطفائی ۱۲۸۱ھ ص ۱۲۶) میں لکھتے ہیں :-

"تربوز بفتح اول وسکون دوم وضم با موحدہ وسکون واو وزار معجمہ در آخر۔ ہندوانہ گویند بعربی جُبْجُب بضم حار مہملہ وسکون بار موحدہ وفتح حار مہملہ دوم وبار موحدہ در آخر۔"

۵ وحید اللغات۔ مادہ "عسف" ۱۲

یہ سلسلۂ سند نو واسطوں سے مؤلف دلائل الخیرات تک پہنچتا ہے جو درج ذیل ہے:-

"شیخ علی بن یوسف ملک باشلی حریری حضرت سید محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن مغربی سے دلائل کی روایت کرتے ہیں وہ اپنے شیخ محمد بن احمد بن احمد مثنی سے وہ شیخ احمد بن الحاج سے وہ شیخ احمد مقری سے وہ شیخ عبدالقادر فاسی سے وہ شیخ احمد بن ابی العباس سے وہ شیخ سملالی سے وہ شیخ عبدالعزیز تباعی سے وہ حضرت شیخ محمد سلیمان جزولی[1] شریف حسنی قطب ربانی مؤلف دلائل الخیرات سے رضی اللہ عنہم اجمعین[2]"

ازدواجی زندگی

حج سے واپس آنے کے بعد والد ماجد نے تأہل پر زور دیا۔ آپ نے والد کے ارشاد کو برضا و رغبت قبول کیا۔ چنانچہ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں مولوی محمد مراد اللہ ابن مولوی محمد اشرف لکھنوی کی دختر نیک اختر سے شریعت غرا کے مطابق نہایت سادہ طریقہ پر لکھنؤ میں نکاح ہوا اور حیدرآباد آگئے، جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں ہے:-

"جب سن شریف اکیس ۲۱ سال کا ہوا تو ۱۲۸۹ھ میں لکھنؤ گئے اور بحکم شریعت بغیر بدعات اور رسوم کے عقد نکاح جناب مولوی محمد مراد اللہ ابن جناب مولوی محمد اشرف مرحوم کی نواسی سے کیا اور اپنے عیال کو لے کر پھر ۱۲۸۹ھ میں حیدرآباد کو تشریف لائے[3]"

شادی کے سال بھر بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام اس کے نانا کے نام پر تیمناً و تبرکاً محمد اشرف رکھا جیسا کہ لکھتے ہیں:-

"سب سے پہلے ۲۴ ماہ رمضان روز جمعہ ۱۲۹۰ھ میں ایک فرزند پیدا ہوا اس کا نام محمد اشرف رکھا[4]"

حجاز کا دوسرا سفر

جس زمانہ میں مولانا وحید الزماںؒ کو ہیضہ ہوا تھا اسی سال ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، مگر شیخ مسیح الزماں کے لئے اولاد کی موجودگی دلجمعی کا سبب اور زندگی کا سہارا تھی۔ اتفاقاً ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں دو جانکاہ سانحے پیش آئے انھوں نے خاندان کے ہر فرد کو ایسا کبیدہ خاطر اور دل برداشتہ کیا کہ حیدرآباد میں رہنا دوبھر ہوگیا۔ مولانا وحید الزماںؒ کے دو جوان سال عالم و فاضل بھائی حافظ سعید الزماں اور فرید الزماں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا۔ ادھر مسلمانوں کی دین سے بے اعتنائی نے تازیانہ کا کام کیا اور یولا

---

[1] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "قطب الارشاد" از فقیر اللہ حنفی مطبوعہ گلزار حسنی بمبئی ۱۳۱۶ھ ص ۳۹۶

[2] تذکرۃ الوحید ص ۱۲ -

[3] لائف سی سالہ۔ ص ۱۱

[4] تذکرۃ الوحید۔ ص ۸ -

خاندان گویا ہجرت پر آمادہ ہوگیا آپ بھی اہل و عیال کو لے کر والد ماجد کے ساتھ حج کو روانہ ہوگئے پونا ہوتے ہوئے بمبئی گئے اور جہاز میں سوار ہو کر جدہ پہنچے جیسا کہ محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے :-

"۱۲۹۴ھ شروع ہوا تو ۷ محرم کو مولوی حاجی فریدالزماں صاحب نے انتقال فرمایا اور اسی سال میں ۱۹ رمضان کو سعیدالزماں صاحب نے بھی انتقال کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کو ان دونوں بھائیوں کے انتقال سے صدمۂ عظیم لاحق ہوا مگر سوائے صبر کے کیا چارہ تھا۔ پس انہی وجہوں کے سبب آپ کی طبیعت حیدرآباد کی سکونت سے متوحش ہوئی اور بھر آئی۔ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مع اہل و عیال باردوم روانہ حرمین شریفین ہوئے، ماہ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ میں آپ پونا پہنچے، ماہ ذیقعدہ کی ۲۴ تاریخ کو آپ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے اور مع الخیر، ذیحجہ کو جدہ میں پہنچے اور حج سے مشرف ہوئے۔"[۱]

اکابر علماء سے ملاقاتیں

اسی قیام کے زمانہ میں مکہ معظمہ کے جلیل القدر علماء اور محدثین سے ملاقاتیں اور صحبتیں رہیں جن میں سے مشہور محدثین کے نام یہ ہیں :-

(۱) سید احمد بن حمید مفتی الحنابلہ

(۲) محمد بن سلیمان حسب اللہ الشافعی۔[۲]

(۳) سید احمد بن زینی بن (احمد)[۳] دحلان الشافعی۔[۴]

اسی زمانہ میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی صحبت سے مستفیض ہوئے، فرماتے ہیں :-

"مترجم نے شیخ عبدالغنیؒ اس شرح (انجاح الحاجہ) کے مؤلف سے ملاقات کی ہے مدینہ منورہ میں اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہے۔"[۵]

والد اور فرزند کا انتقال

یہاں بھی دورانِ قیام میں دو نہایت جگر فگار اور جانکاہ حادثے پیش آئے :-

(۱) ۹ ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو بروز دوشنبہ موصوف کے والد شیخ مسیح الزماں نے مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنۃ العلاۃ میں دفن ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ

۱ھ لائف سی سالہ۔ ص ۱۳۔

۲ھ راقم الحروف کو بھی موصوف سے بیک واسطہ تلمذ حاصل ہے۔ موصوف کے تذکرہ کیلئے ملاحظہ ہو: "فہرس الفہارس" ج ۱ ص ۲۶۳

۳ھ ملاحظہ ہو معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، مولفہ یوسف الیان سرکیس مطبع سرکیس مصر ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء ج ۲ ص ۹۹۰۔

۴ھ تذکرۃ الوحید ص ۳۔

۵ھ رفع العجاجہ ترجمہ سنن ابن ماجہ مطبع صدیقی لاہور۔ ج ۱ ص ۴ ۔

(۲) پھر ۲۴ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں موصوف کے فرزند دلبند محمد اشرف نے مکہ معظمہ میں وفات پائی، چونکہ آپ کے گھر میں یہی ایک لڑکا تھا جس کی بڑے ناز و نعم سے پرورش ہو رہی تھی، ماں اور باپ دونوں کو اس آنکھوں کے نور اور دل کے سرور سے بہت محبت تھی، اس کی موت سے بڑا صدمہ ہوا مگر آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، حالانکہ دل فگار اور چشم پُرنم تھی مگر زبان پر شکوہ نہ تھا اس صبر آزما واقعہ کو یوں لکھا ہے:-

"جب محمد اشرف اول مکہ معظمہ میں گذر گیا اس وقت میرا ایک ہی فرزند تھا اور کوئی اولاد نہ تھی میں نے اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون کہا اور صبر کیا۔"[۵۱]

حجاز سے واپسی اور عہدہ میں بتدریج ترقی

مولانا کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ملازمت چھوڑی نہیں تھی بلکہ طویل رخصت پر چلے گئے تھے جب وہاں قیام زیادہ ہو گیا اور یہاں اعتراض اٹھا، اس وقت آپ تنہا حیدرآباد تشریف لائے اور وظیفہ کی کوشش کرنے لگے۔ یہ واقعہ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کے اختتام یا ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء کے آغاز کا ہے یہاں تنہائی کی وجہ سے پریشان رہنے لگے اور طبیعت بھی ناساز ہو گئی، چار و ناچار اہل و عیال کو بلالیا جیسا کہ مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے:-

"آپ بعض ضرورتوں کی وجہ سے مکہ معظمہ سے تن تنہا حیدرآباد کو روانہ ہوئے اور جب حیدرآباد میں پہنچے تو تنہائی کی وجہ سے بہت پریشان رہنے لگے اور مختلف امراض میں گرفتار ہو گئے۔"[۵۲]

ادھر وظیفہ کی کوئی صورت نہ ہو سکی، اہل و عیال بھی آگئے اب بجز فرائض منصبی کی انجام دہی کے اور صورت ہی کیا تھی، آخر سابقہ سرکاری کاموں میں مشغول ہو گئے، اور اپنی خداداد صلاحیت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے خوب ترقی کرتے رہے۔ آخر فائننس سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور وقارالامراء[۵۳] کے معتمد پیشی مقرر ہوئے اور متعدد سرکاری نوازشوں سے سرفراز ہوئے، اپنی اس تدریجی ترقی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"ریاست حیدرآباد دکن میں پہلے پہل دفتر معتمدی عدالت میں بماہوار بیس[۲۰] روپیہ نوکر ہوا پھر وہاں

---

۵۱ تذکرۃ الوحید۔ ص ۸۔

۵۲ لائف سی سالہ۔ ص ۱۶۔

۵۳ موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

"مدحیہ شمسیہ" از محمد امام غلام خاں مطبوعہ خورشید پریس حیدرآباد دکن سنہ ۱۲۸۰ھ

"تزک محبوبیہ" مولفہ غلام صمدانی خاں گوہر طبع حیدرآباد دکن ج ۲ ص ۴۸۵ (دفتر اول ردیف و)

بہ ترقی پنج روپیہ محکمہ مرافعہ وصدر تعلقات میں منتقل ہوا، وہاں سے بہ ماہوار پنجاہ روپیہ نائب ناظرو مہتمم تعمیل عدالت عالیہ فوجداری ہوا پھر اسی عدالت میں بماہوار ساٹھ روپیہ نائب سررشتہ دار ہوا پھر بماہوار ہشتاد روپیہ سررشتہ دار عدالت مرافعہ فوجداری اضلاع ہوا پھر وہاں سے بماہوار یکصد وپنجاہ روپیہ دفتر معتمدی مالگذاری میں میر منشی ہوا پھر اسی دفتر میں بہ ماہوار دوصد روپیہ سررشتہ دار ہوا، پھر اسی دفتر میں بماہوار سہ صد روپیہ منتظم ہوا پھر بماہوار چہارصد روپیہ اصل وہشتاد روپیہ الاؤنس سواری معتمدی پیشی نواب سروقارالامراء مرحوم ہوا۔"[1]

وقار نواز جنگ کا خطاب جب نواب وقارالامراء کو ۱۱ دی ۱۳۰۳ء فصلی (مطابق ۱۳۱۲ھ) میں ریاست حیدرآباد کے صدر اعظم کا عہدہ ملا تو آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا اور ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ نیز نواب وقارالامراء کے معتمد پیشی مقرر ہوئے۔ میر محبوب علی خاں شاہ دکن کی طرف سے وقار نواز جنگ کا اعزاز اور خطاب ملا، مجلس مالگذاری کے رکن مقرر ہوئے اور بعد میں ہائی کورٹ کے جج بھی ہو گئے۔ کم وبیش ۳۴ سال تک ملازمت کر کے ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں وظیفہ یاب ہوئے جیسا کہ موصوف کا بیان ہے :-

"جب نواب صاحب ممدوح ۱۱ دی ۱۳۰۳ف میں وزارتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے تو بہ ماہوار ایک ہزار وپنج صد روپیہ ان کا معتمد پیشی مقرر ہوا، اور پیش گاہ حضور پُرنور شاہ دکن سے بخطاب وقار نواز جنگ اعزاز پایا پھر اسی ماہوار سے رکن مجلس مالگذاری ہوا پھر اسی ماہوار سے جج ہائی کورٹ رہا۔ اس کے بعد وظیفہ یاب ہو گیا۔ تواریخ ان تقررات اور تبدلات کی مجھ کو محفوظ نہیں ہیں لیکن ابتدائے ملازمت ۱۲۸۴ھ سے تا انتہائے ملازمت ۱۳۱۸ھ تک ۳۴ سال کچھ کم ہوئے ہیں۔"[2]

حصولِ منصب سے بے نیازی مولانا نے ایک زمانۂ دراز تک ملازمت کی اور اس ٹھاٹھ سے کی کہ تمام مملکت میں آپ ہی کا طوطی بولتا تھا اور آپ ہی سیاہ وسفید کے مالک تھے جیسا کہ لکھتے ہیں :-

"اور کئی سال تک مجھ کو ایک بڑی ریاست کی ایسی حکومت عطا فرمائی کہ کل سیاہ وسفید اس کا میری رائے پر ہوتا۔"[3]

۱؎ تذکرۃ الوحید۔ ص ۲۔

۲؎ تذکرۃ الوحید۔ ص ۳

۳؎ وحید اللغات۔ مادہ "فخر"۔

لیکن ترقی اور حصولِ منصب وجاہ کے لئے نہ کبھی کوشش کی اور نہ حکامِ بالادست کی کبھی خوشامد کی، فرماتے ہیں:-

"اس حدیث (مذکورۂ بالا) کا خود مجھ کو تجربہ ہو چکا ہے کئی موقعے میری عمر میں ایسے گذرے کہ دوسرے لوگوں نے ایک کام یا عہدہ حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی تک زور لگایا اور میں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے کسی دنیادار سے ملنا یا سعی و کوشش کرنا پسند نہ کیا بلکہ جب وہ کام میرے لئے تجویز ہوا تب بھی میں نے استغنا و بے پرواہی کی اور ایسی ایسی شرطیں لگائیں کہ ان کی منظوری نہ ہوسکے اس خیال سے کہ میں اس کام سے سبکدوش رہوں مگر اس پر بھی وہ کام اور عہدہ زبردستی میرے سر پر رکھا گیا، عجب قدرت ہے میرے خدا کی، سبحان اللہ وبحمدہٖ[1]"

یہی وجہ ہے کہ اتنے عرصہ ملازمت کرنے کے باوجود کبھی ملازمت سے وابستگی نہ ہوسکی اور جب سبکدوش ہوئے تو ذرہ برابر ملال اور افسوس نہ ہوا حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کا آپ کو بڑا صدمہ ہوگا اور صحت پر بھی برا اثر پڑے گا، برخلاف اس کے صحت پہلے سے اور بہتر ہوگئی، جیسا کہ لکھتے ہیں:-

"میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حیدرآباد کے بعض امراء وزارت سے علیحدہ ہونے کے بعد اس رنج میں گذر گئے، مجھ کو جب نواب نظام بہادر نے ایک معزز خدمت سے علیحدہ کیا تو اکثر لوگوں کا گمان تھا کہ میں اس رنج میں گھل جاؤں گا، مگر برخلاف اس کے اس بارِ عظیم کے ٹل جانے سے میری صحت میں ترقی ہوئی اور میں از سرِ نو تازہ اور شاداب ہوگیا، دنیا کے انقلابات پر جو اپنی جان کھوئے اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہے ؎

جہاں اے برادر نماند بکس ۔۔۔ اندر جہاں آفریں بند و بس[2]"

مولانا کی طبیعت میں حصولِ مناصب کی کوئی خواہش اور امیروں کی صحبت سے کوئی رغبت اس لئے نہ تھی کہ ان کی صحبتوں میں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں اور ان کی مجلسوں میں شریعت کے حدود کا احترام نہیں ہوتا، یہی وجہ تھی کہ آپ رؤسا اور امراء کی دعوت سے گریز کرتے تھے اگر کہیں مجبوراً شریک ہونا پڑتا تو اس پر پشیمانی اور ندامت ہوتی، آکر خدا سے توبہ کرتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:-

"اللہ سے بخشش چاہتا ہوں ہمارے ملک کے بادشاہ نصرانی ہیں اسی طرح بڑے بڑے عہدہ دار جیسے

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "ھمد" ۱۲

[2] وحید اللغات۔ مادہ "ز ر ب" ۱۲

وائسرائے اور گورنر، لفٹننٹ گورنر، ریزیڈنٹ ان لوگوں کی ضیافت جب ہمارے بعض رئیس کرتے ہیں تو میز پر طرح طرح کی شراب بھی چُنی جاتی ہے اور خوشی سے اُن کو پلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے آخری عمر میں مجھ کو گورنمنٹ سروس سے نجات بخشی جب میں گورنمنٹ سروس میں تھا تو مجھ کو بھی بمجبوری ان ضیافتوں میں جانا پڑتا، اکثر میں بہانہ کر دیتا مگر کبھی کبھی گُھٹ بھی جانا سوائے سکوت کے اور کوئی چارہ نہ پاتا دل ہی دل میں کُڑھتا رہتا اور جبراً قہراً چند نوالے زہر مار کرتا یورپین لیڈیز اور جنٹلمین مجھ پر ہنستے رہتے جب میں چھری بائیں ہاتھ میں اور کانٹا داہنے ہاتھ میں رکھ کر داہنے ہاتھ سے کھاتا مجھ کو اس حدیث (نھی عن الجلوس علی مائدۃ تشرب علیھا الخمر)" آپ نے اس دسترخوان (یا میز) پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس پر شراب پی جائے) کا برابر خیال آتا اور اپنے تئیں سخت گنہگار سمجھ کر پروردگار سے توبہ اور استغفار کرتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جب سے مجھ کو وظیفہ دیا گیا میں ان بلاؤں سے چھوٹ گیا مگر اب بھی دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوں اور میرا کھانا پینا سب عطایائے سلطانی سے ہے جو شبہ سے خالی نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس آخری حصۂ حیات میں مجھ پر رحم فرمائے اور دنیا سے خاتمہ بالخیر کر کے ایمان کے ساتھ اُٹھائے۔ آمین یارب العالمین[۱]"

نواب وقار الامراء سے پہلی ملاقات

جب نواب وقار الامراء مرحوم کے معتمد پیشی مقرر ہوئے تو نواب صاحب سے ملاقات کے لئے جانا پڑا، لیکن وہاں کا خوشامدانہ ماحول دیکھ کر بڑے دلگیر ہوئے اور علیحدہ کمرہ میں جا بیٹھے۔ اس وقت کی کیفیت یوں لکھتے ہیں:۔

"مجھ کو اپنی عمر بھر میں کسی امیر کی صحبت نہیں رہی بجز نواب سر وقار الامراء مرحوم کے جو حیدرآباد دکن میں وزارتِ عظمیٰ پر ممتاز تھے اور ان کی صحبت بھی بلا میری پیروی اور تگ و دو کے محض تقدیر ایزدی سے حاصل ہو گئی۔ جب میں پہلی بار اُن کے پاس پہنچا دیکھا تو وہ ایک کرسی پر جلوہ فگن ہیں اور اُن کے حواشی سب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے یہ تحقیر گوارا نہیں کی اور میں دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا وہاں بیٹھے بیٹھے میں نواب صاحب کی باتیں سنتا رہا، جہاں نواب صاحب کے منہ سے کوئی بات نکلی بس ان مصاحبوں نے بجا و درست پیر و مرشد کی آواز بلند کی۔ یہ حال دیکھ کر مجھ کو سخت افسوس ہوا، یا اللہ ان خوشامدیوں کا ستیاناس کر اور ان کے شر سے ہم کو محفوظ رکھ۔ کہتے کیا کہ سعدی کے اس قول پر عمل کرتے ہیں؎

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں   بباید گفت اینک ماہ و پروین

---

[۱] وحید اللغات۔ مادہ "شرب"۔ ۱۲

ارے بیوقوفو! کیا سعدی کی ہر ایک بات ماننے کے قابل ہے۔ معلوم نہیں انھوں نے یہ کس ضرورت سے اور کس مصلحت سے کہا۔ ہم کو تو اللہ اور رسول کی پیروی کرنا چاہئے، نہ کہ شاعروں کی، آنحضرتؐ فرماتے ہیں "ظالم بادشاہ کے خلاف سچی بات کہنا جہاد کا ثواب رکھتا ہے" اور اب تو اللہ کے فضل سے ایسا زمانہ ہے کہ کسی نواب یا رئیس یا بادشاہ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، تمام سلطنتیں مشروط یعنی پارلیمنٹی ہو رہی ہیں اور بادشاہ سلامت شاہ شطرنج کی طرح ایک کونے میں بٹھا دیئے گئے ہیں وہ قانون کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہیں، اسلام ایسی ہی خلافت اور حکومت سے شروع ہوا تھا، ایک خلیفہ مسلمانوں کی رائے اور مشورہ سے مقرر کیا جاتا ہے اور اسی شرط پر کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے ورنہ وہ معزول کر دیا جاتا ہے[1]"

موصوف اپنی ترقی، عزوجاہ، ثروت و کامرانی سب کچھ والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا اثر و ظہور سمجھتے تھے، فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو جو کچھ ثروت و فلاح دنیوی حاصل ہوئی وہ میری والدہ کی دعا سے[2]"

ایک اسلامی ریاست کے عہدہ دار ہونے کے باوجود مولانا کو اپنی کمائی کے حلال ہونے میں شبہ ہوتا تھا دورانِ ملازمت بعض ایسے مواقع بھی پیش آئے جس سے اس شبہ کو اور بھی تقویت ہوئی مگر ماحول کی ناسازگاری کے باعث وہ اپنے دامن کو اس گندگی کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ نہ رکھ سکے، فرماتے ہیں

"میں اپنے مالک سے بہت شرمندہ ہوں، عمر کا اکثر حصہ مشتبہ اموال کھانے میں گذرا لیکن بعض اوقات میں ایسا کیا کرتا تھا کہ تنخواہ کا روپیہ تو اپنے کھانے پینے میں صرف کرتا اور مشتبہ روپیہ سرکاری محصولات اور ریلوے چارج اور نوکروں کی تنخواہ وغیرہ میں دیتا۔ اب جب سے مجھ کو وظیفہ ہو گیا ہے تو کئی مشتبہ ذرائع سے میں علیحدہ ہو گیا ہوں لیکن اب بھی جو تنخواہ سرکار سے ملتی ہے وہ بھی مشتبہ میں داخل ہے کیونکہ سرکاری پیسہ میں شراب اور سیندھی اور مسکرات کی آمدنی بھی مخلوط ہے اور جنگلات وغیرہ کی آمدنی جو خلافِ شرع ہے وہ بھی شریک ہے۔ غرض ساری عمر مجھ کو خالص مال حلال طیب جس میں ذرا شبہ نہ ہو کھانا بہت کم نصیب ہوا ہے یہ معلوم نہیں آخرت میں میرا کیا حال ہونا ہے۔ باوجود علم کے میں نے ایسے ایسے سخت گناہ کئے ہیں کہ ان کے یاد کرنے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یا اللہ بجز تیرے عفو اور مغفرت کے کوئی صورت نجات کی نہیں۔

---

[1] وحید اللغات - مادہ "ذ ر ب" ۱۲

[2] وحید اللغات - مادہ "طیح" ۱۲

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا ہ

بادشاہا جرم ما را در گذار — ما گنہگاریم و تو آمرزگار[۱]"

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں:۔

"اس زمانے میں ہمارے اکثر مال مشتبہ ہیں اور خالص کمائی جس میں کوئی شبہ نہ ہو بہت کم ہے میں تو اکثر یہ کیا کرتا ہوں کہ مشتبہ مال ادائے قرض میں دیدیا کرتا ہوں مثلاً سو روپیہ کسی سے قرض لئے تو اب وہ روپیہ حلال ہیں اس کی ادائی میں وہ سو روپے دیدیئے جو بطور مشتبہ ہمارے پاس تھے اسی طرح مال مشتبہ کو دوسرے مصارف میں اٹھاتا ہوں جو علاوہ کھانے پینے کے ہوتے ہیں جیسے مکانات کے ٹیکس، کرایہ ریلوے، اجرت تار برقی اور پوسٹ، اجرت اجارات وغیرہ میں اور حلال مال کو اپنی خوراک اور پوشاک میں صرف کرتا ہوں، اس طرح پر بہت اموال حرام اور شبہ کے ہم نے اپنے اوپر خرچ کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کے طالب ہیں اور وہ ارحم الراحمین ہے[۲]"

دورانِ ملازمت میں ایک نازک وقت

مولانا وحید الزماںؒ نے ایک زمانہ دراز تک ملازمت کی، رفقائے کار اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور برادرانہ سلوک کیا مگر انہی میں سے بعض دنی الطبع اور حاسدوں نے اس زمانے میں جب کہ آپ مدار المہام کے معتمد تھے بڑی لگائی بجھائی کی اور آخر آپ معرض عتاب میں آگئے اور دوسری جگہ تبادلہ ہوگیا۔ زندگی میں یہی ایک نازک وقت آیا تھا اس وقت رفقاء اور احباب میں سے کوئی کام نہ آیا اور کسی نے ہمدردی کے دو بول بھی نہ بولے، وہ مکان جو جلوت کدہ اور مہمانسرا بنا ہوا تھا ایک دم سُونا ہوگیا۔ اس واقعہ نے اہل دنیا سے دل برداشتہ کردیا اور آخر آپ نے سب سے ملنا جلنا ہی ترک کردیا تھا، فرماتے ہیں:۔

"اس کا تجربہ جیسا مجھ کو ہوا شاید ویسا کسی کو ہوا ہو، جب میں مدار المہام حیدرآباد کی پیشی میں تھا اور اُن کا معتمد اور امین تھا تو میرے مکان پر اتنے لوگوں کا مجمع رہتا کہ میں تنگ آجاتا پھر جب میں معرض عتاب میں آیا اور اس عہدے سے علیحدہ ہوگیا تو فوراً لوگوں نے آنا چھوڑ دیا سب کے سب ہوا کے آشنا ہونے ہیں اور بیحد محبت کا دعویٰ کرتے تھے یہ سارا دعویٰ جھوٹ اور رابطہ فریبی تھا[۳]"

۱؎ وحید اللغات۔ مادہ "وَقَعَ"۔
۲؎ وحید اللغات۔ مادہ "خبث"۔
۳؎ وحید اللغات۔ مادہ "جَھَرَ" ۱۲

اس زمانے میں ان مخلص احباب کا بھی جو آپ کے ہم مسلک اور ہم عقیدہ تھے اور آپ کی دوستی کا دم بھرتے تھے ہمدردی کا کوئی خط نہ آیا، جس پر لکھتے ہیں :۔

"ہمارا گروہ اہلحدیث ماشاءاللہ ایسا گروہ ہے کہ ایک دفعہ میں سخت مشکل میں پھنس گیا یہاں تک کہ زوال عزت وجان کا خوف ہوگیا تھا مگر طائفہ اہلحدیث میں سے کسی نے ایک خط بھی ہمدردی کا نہیں لکھا روپیہ اور پیسے کی امداد کا تو کیا ذکر ہے، اس روز سے مجھ کو خوب نصیحت ہوئی اور میں نے اپنا دل ہر ایک مخلوق کی طرف سے پھیر لیا اور سوا اپنے خالق اور مولیٰ کے ہر ایک کی ہم صحبتی اور ہمنشینی سے ابتک گریزاں ہوں تنہا ہی رہ کر جیوں گا اور تنہا ہی اٹھوں گا، اہل حدیث بھائیوں کو رخصتی سلام کرتا ہوں[۱]۔"

عمر بھر میں صرف ایک دوست ہی مخلص ملے تھے جن کی آپ قدر کرتے تھے۔ فرماتے ہیں :۔

"میری عمر اب ستر کے قریب پہنچی ہے لیکن اب تک مجھ کو کوئی سچا، پورا دوست نہیں ملا ایک دو شخص ایسے ملے جن کو آدھا یا پاؤ دوست کہنا چاہئے، یہ بھی غنیمت ہے اب ایسے دوست بھی عنقا ہیں[۲]۔"

اسی کا اثر تھا کہ آخر عمر میں اہل دنیا کی صحبت سے اتنے بیزار ہوگئے کہ کسی قیمت پر ان کی صحبت کو پسند نہ کرتے تھے، لکھتے ہیں :۔

"اسی طرح دنیاداروں اور امیروں اور نوابوں کی صحبت سے مجھ کو ایسی نفرت اور وحشت ہے کہ اگر بالفرض کوئی امیر ہزار روپیہ ماہوار بھی مجھ کو دے تب بھی میں اس کی مصاحبت اور خدمت نہ کروں[۳]۔"

مولانا کو اپنی گذشتہ زندگی پر جو دنیاداروں کی صحبت میں گزری جہاں بعض اوقات خلاف شرع امور پر سکوت کرنا پڑا کیونکہ فتنہ پیدا ہونے کا خیال تھا تاہم اس پر بھی افسوس رہا، لکھتے ہیں :۔

"میں خود اپنا حال کہتا ہوں، جب میں دنیادار نواب کی صحبت میں تھا تو بہت سی خلافِ شرع باتوں پر میں نے سکوت کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا امیدوار ہوں، أَسْتَغْفِرُ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ[۴]۔"

۞

---

[۱] وحید اللغات - مادہ "لہو"۔

[۲] "

[۳] " مادہ "ظلع"۔

[۴] " مادہ "فقہ"۔ ۱۲
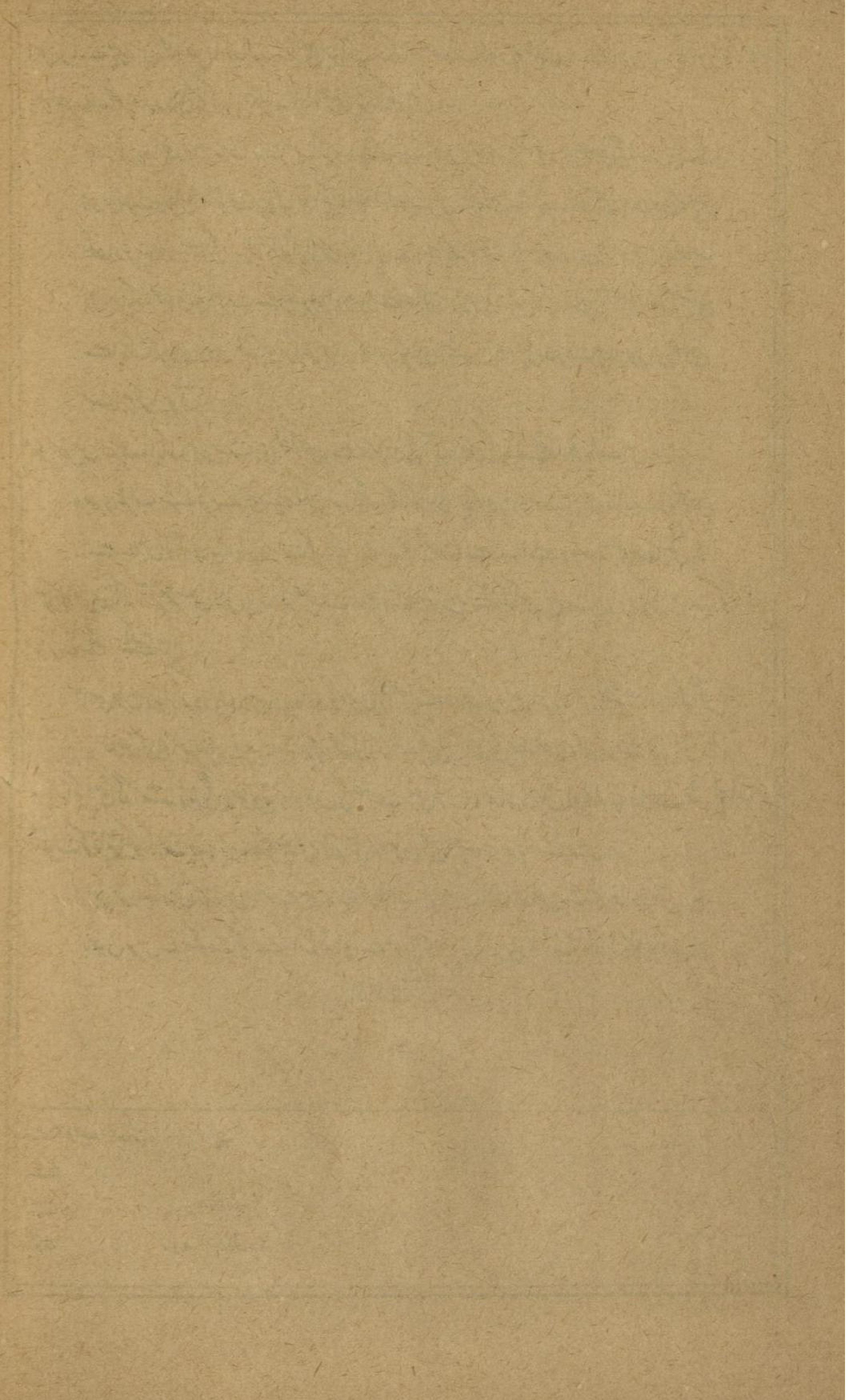
باب سوم

علوم سے شغف

- مطالعۂ کتب
- ذہانت وذکاوت اور حافظہ
- زود خوانی اور زود نویسی
- شعروسخن کا ذوق
- انگریزی کی تحصیل
- قانون کا مطالعہ

مطالعۂ کتب

مولانا وحید الزماں کو کتب بینی اور مطالعہ کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا، آپ نے طالب علمی کے زمانے میں خوب مطالعہ کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد پھر چونکہ مصروفیتیں روز بروز بڑھتی گئیں، اس لئے مطالعہ کے لئے وقت زیادہ نہ مل سکا، تاہم یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوا جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں ہے:۔

"آپ فرصت کے وقت کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن اوائل عمر میں آپ کا مطالعہ بہت تھا اب دس برس سے آپ نے مطالعہ کم کر دیا ہے اور اس کی وجہ کچھ ضعف و نقاہت اور قلتِ فرصت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ مطالعہ سے بڑا فائدہ ہے اور ایک تھوڑی استعداد والا آدمی اگر چاہے کہ میں بڑے بڑے عالموں کے برابر ہو جاؤں یا اُن سے بڑھ جاؤں تو وہ مطالعہ کیا کرے[۵۲]"

مولانا نے رات کو مطالعہ کبھی نہیں کیا کیونکہ آپ کے استاد مولانا بشیر الدین قنوجی کی یہی نصیحت تھی چنانچہ مرزا محمد حسن لکھنوی آپ سے ناقل ہیں:۔

"آپ فرماتے تھے کہ میرے استاد مولانا بشیر الدین صاحب قنوجی نور اللہ مرقدہ نے مجھ کو نصیحت کی تھی کہ رات کو کتاب کا مطالعہ نہ کرنا بلکہ دن کو جس قدر مطالعہ ہو سکے کافی ہے اور رات کو محض تفریح اور دوست احباب سے باتیں کرنے کے لئے رکھو[۵۳]"

مولانا کا خیال ہے کہ مطالعہ کے کچھ اصول اساسی ہیں جن پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے، اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مطالعہ ہمیشہ علمی کتابوں کا کرنا چاہئے جن کی زبان سہل اور آسان ہو۔

(۲) کتاب کا مطالعہ شروع سے آخر تک کرنا چاہئے۔

(۳) مطالعہ مختلف علوم کی کتابوں کا کرتے رہنا چاہئے تاکہ طبیعت نہ گھبرائے، نیز دوران مطالعہ میں نگاہ اٹھا کر گاہ بگاہ ادھر ادھر بھی دیکھنا چاہئے تاکہ نظر پر بار نہ ہو۔

(۴) گرمی میں رات کو مطالعہ نہ کرنا چاہئے نیز عصر سے مغرب تک مطالعہ کرنا سخت مضر ہے۔

(۵) مطالعہ اسی وقت کرنا چاہئے جب طبیعت میں نشاط ہو۔

(۶) مطالعہ جلدی اور سرسری کرنا چاہئے جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ آئندہ جب اس فن کی کتاب مطالعہ میں آئے گی تو یہ باتیں وہاں تفصیل سے سامنے آجائیں گی اور یہ

---

۵۲ "لائف سی سالہ"۔ ص ۵۸۔

۵۳ " ص ۴۲۔

مسئلہ بھی وہاں اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔[51]

ذہانت و ذکاوت اور حافظہ

مولانا کا حافظہ نہایت قوی اور طبیعت بڑی رسا تھی، دماغ عالی اور دل بڑا درد مند پایا تھا۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جب غدر ہوا مشکل سے چھ برس کے ہوں گے لیکن ان ایام میں جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل و دماغ پر نقش ہو گیا تھا، آپ نے نانا راؤ[52] کو دیکھا تھا اس کے متعلق اپنا تاثر بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے بچشم خود معائنہ کیا ۱۸۵۷ء میں نانا راؤ ستانتیا اور اس کے ساتھیوں نے انگریزوں کے ساتھ عہد کر کے پھر دغابازی سے ان کو مار ڈالا آخر اللہ تعالیٰ نے انگریزوں کو ان پر غالب اور مسلط کر دیا۔"[53]

جب ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں خیال آیا کہ قرآن مجید کا حفظ ہونا بھی ضروری ہے تو ۲۳ سال کی عمر میں کثرتِ اشغال کے باوجود قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ڈیڑھ سال سے بھی کم مدت میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا

---

[51] ہم نے یہاں مولانا کے نظریات کو اجمالاً اپنے الفاظ میں لکھا ہے جو "لائف سی سالہ" سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲

[52] یہ ایک برہمن کا لڑکا تھا اس کا نام دھوندو پنتھ اور باپ کا نام مادھو نرائن راؤ بھٹ تھا۔ باجی راؤ پیشوا کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے ۱۸۲۷ء میں اس کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تو اس کا لقب نانا راؤ پڑ گیا۔ باجی راؤ کو سرکار انگریزی سے پانچ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر تھی وہ بٹھور میں جو کانپور کے قریب گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ اور ہندوؤں کا تیرتھ ہے رہتا اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتا تھا ۱۸۵۱ء میں یہ مر گیا تو نانا راؤ نے اس پنشن کا دعویٰ کیا مگر سرکار انگریزی نے نہ دی۔ اس نے ولایت تک کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ آدمی تھا ہوشمند اور موقعہ شناس خاموش ہو رہا مگر اس کے دل میں کانٹا بیٹھ گیا تھا اور انتقام کی فکر میں تھا ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا اور ۵ جون کی شب کو جب کانپور کی چھاؤنی کی فوج باغی ہو کر دلی کی طرف کوچ کر گئی تو یہ یک لخت پھر گیا اور اس کو اپنے ساتھ لوٹا لایا، انگریزی دمدمہ پر توپیں لگا دیں ۲۶ جون کو محصورین نے مجبور ہو کر پیام صلح اور امن منظور کر لیا اور وہ الہ آباد جانے کے واسطے تیار ہو کر گھاٹ پر آئے، کشتیوں میں سوار ہونے لگے اس نے سب کو قتل کرانا شروع کیا دو کشتیاں نکل گئی تھیں مگر چند میل پر پکڑی گئیں اور ان کے سواروں کو بھی اس نے تہ تیغ کرا دیا، عورتوں اور بچوں کو قید کر دیا پندرہ جولائی کو جب اس کی فوج نے جنرل سر ہنری ہیولاک بہادر سے ادنگ کے مقام پر شکست کھائی تو رات کو ان دو سو عورتوں اور بچوں کو جو قید میں تھے اپنے سامنے قتل کرا دیا اور یہ بے رحم تماشا دیکھتا رہا جب صبح ہوئی اور معلوم ہوا کہ دو چار بچے اور عورتیں ان مقتولین میں ایسی ہیں جن میں ابھی زندگی کی رمق موجود ہے اس نے ان زندوں کو بھی مردوں کے ساتھ کنوئیں میں ڈلوا کر لاشوں سے پٹوا دیا اور جب ہر جگہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ نیپال کی طرف نکل گیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

دی انڈین میوٹنی مولفہ جی ڈبلیو۔ فارسیٹ ملٹری پریس کلکتہ۔ ۱۹۰۲ء

(The Indian Mutiny, Ed. G.W. Forrest.
Military Press Calcutta. 1902)

[53] وحید اللغات۔ مادہ "ختر"۔ ۱۲

اگرچہ درمیان میں بعض مصروفیتوں کی وجہ سے یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع بھی ہوگیا، تاہم ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء کے آخر میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا پھر ہر سال تراویح میں سنایا جیساکہ "لائف سی سالہ" میں ہے:-

"پھر ۱۲۹۱ھ میں جب عمر شریف ۲۳ سال کو پہنچی تو حفظِ قرآن کا خیال آیا باوجودیکہ علاقہ ملازمت اور پرورش اور تکفیل اہل وعیال اور درس اور تدریس میں گرفتار تھے لیکن ایک ساعت روز محنت کرکے غرۂ رمضان ۱۲۹۱ھ سے حفظ کلام اللہ شروع کیا پھر رمضان اور شوال ۱۲۹۲ھ میں حفظ موقوف رہا پھر جاری ہوا یہانتک کہ ۸ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو حفظ کلام اللہ سے فراغت حاصل ہوئی سب مدتِ حفظ سترہ ماہ آٹھ روز کی ہوئی اور اُسی سال سے ہر سال ماہ رمضان میں نماز تراویح میں کلام اللہ پڑھنا شروع کیا اور ہر روز ایک پارہ فجر کو پڑھا کرتے ہیں"[1]

مولانا نے قرآن مجید جلدی جلدی یاد کیا تھا یہی وجہ تھی کہ جب قرآن پڑھتے تھے تو بہت جلد پڑھتے تھے اور جلد پڑھنے میں حروف مخارج سے کما حقہ ادا نہیں ہوتے اس لئے اپنی اس غلطی کا ہمیشہ احساس اور افسوس رہا جیساکہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

"جب سے میں نے قرآن حفظ کیا مجھ کو بھی جلد پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے ہر چند چاہتا ہوں اس عادت کو چھوڑدوں مگر شیطان بہکا دیتا ہے اور جلد جلد پڑھنے لگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ عادت مجھ سے چھڑادے اور آج تک جو جلدی میں نے قرآن کی تلاوت میں کی ہے وہ معاف کرے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ"[2]

مولانا نے جب سے قرآن مجید حفظ کیا تھا ہر روز دو پارے پڑھا کرتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:-

"ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کا عمل یہ ہے کہ اگر فرصت اور فراغت اور بے فکری ہو تو سات روز میں کلام اللہ ختم کیا جائے ورنہ پندرہ روز میں بہتر ہے ہمارا ابھی عمل اسی پر ہے ہم پندرہ روز میں ایک ختم کیا کرتے ہیں اور اس سے کم میں خوف رکھتے ہیں بھولے جانے کا مگر یہ حافظوں کے واسطے ہے"[3]

مولانا کی ذکاوت طبع اور ذہانت کے متعلق میاں نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

---

[1] "لائف سی سالہ" ص ۱۲۔

[2] وحید اللغات۔ مادہ "نشر" ۱۲

[3] کشف المغطا ترجمہ موطا، شائع کردہ اصح المطابع کراچی۔ ص ۲۰۱۔

"لقد اجزت لجمیع مرویاتی من کتب الحدیث اعنی الصحاح الستۃ وغیرھا للمولوی الالمعی الذی لہ رأی صائب وذھن ثاقب[1]"

میں اپنی تمام مرویات حدیثیہ کی یعنی صحاح ستہ وغیرہ کی روایت کی اجازت مولوی وحید الزماں کو دیتا ہوں جو بڑے زیرک، نہایت روشن دماغ اور صائب الرائے آدمی ہیں۔

زود خوانی اور زود نویسی مولانا وحید الزماں جس طرح پڑھتے جلدی تھے یاد بھی جلدی کرتے تھے اور اسی طرح لکھتے بھی جلدی جلدی تھے، چنانچہ جس زمانے میں حجاز میں قیام رہا اور وہاں بعض نادر رسالے نظر سے گزرے ان کو نقل کر لیا مرزا محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"آپ نے مکہ معظمہ میں چند رسائل مسئلہ استواء اور نزول میں ملاحظہ فرمائے اور کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی کی دیکھی اور بوجہ فرط شوق کے باوصف ہزاراں اشغال آپ نے دست خاص سے ان کی نقل شروع کی۔ ہر چند سفر کی پریشانی اور رمال واسباب کے تشتت اور تفرق اور لڑکے کی علالت کے آپ بہت مضطرب تھے اس پر بھی آپ نے ایک ماہ کے عرصہ میں ان سب رسائل کی نقل اپنے ہاتھ سے کر لی۔ میں نے وہ مجموعہ بچشم خود دیکھا ہے اس میں یہ رسالے ہیں:۔

(۱) کتاب الرد علی الجہمیہ للامام احمد بن محمد حنبل الشیبانی۔

(۲) عقیدہ صابونی

(۳) رسالۃ شیخ عبداللہ بن ابی زید مالکی

(۴) صفۃ العلوم ابن قدامہ مقدسی

(۵) ذم التاویل لابن قدامہ

(۶) کتاب النزول لشیخ الاسلام ابن تیمیہ

(۷) الرسالۃ المدنیہ۔ لابن تیمیہ

(۸) الرسالۃ الواسطیہ، لابن تیمیہ

(۹) الرسالۃ التدمیریہ، لابن تیمیہ

(۱۰) المجالس المعقودہ والمناظرہ مع شیخ الاسلام ابن تیمیہ

(۱۱) رسالۃ اخری فی حقیقۃ الاستواء والنزول لابن تیمیہ

[1] تذکرۃ الوحید۔ ص ۹

(۱۳) ملتقط کتاب الاسماء والصفات للبیہقی لابن تیمیہ[1]۔"

اسی زود نویسی کا نتیجہ تھا کہ تمام مشاغل کے باوجود چھوٹی بڑی سو کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:۔

"اللہ کے فضل وکرم سے میری بھی تالیفات سو جلدوں سے زیادہ میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں اور مختلف اہل مطابع کے پاس تلاش سے ملیں گی[2]۔"

جو لوگ زود نویس ہوتے ہیں وہ عموماً خوش نویس نہیں ہوتے لیکن موصوف میں یہ بھی خصوصیت تھی کہ زود نویس ہونے کے باوجود خوش نویس بھی تھے اور خط نسخ و نستعلیق اور خط شکستہ بھی خوب لکھتے تھے۔ مرزا محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"آپ کی اس زود نویسی کو دیکھ کر لوگوں نے حیرت کی اور لطف یہ کہ آپ زود نویس طبعی ہیں اور خوش نویس بھی، تینوں خط نسخ و نستعلیق اور شکستہ آپ بہت خوب لکھتے ہیں[3]۔"

موصوف کو خط نسخ و نستعلیق دونوں پر بڑی قدرت تھی چنانچہ آپ نے اپنی عظیم الشان لغتِ حدیث "وحید اللغات" کی کتابت بعض وجوہ سے خود ہی کی تھی یہی وجہ ہے کہ اس میں اغلاط شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں، ہندوستان اور پاکستان میں دو ہی کتابیں ایسی ہیں جن کی کاپیاں بھی خود مؤلفین نے اپنے قلم سے لکھی ہیں اور دونوں حدیث کے موضوع پر ہیں۔ ان میں اولیت کا شرف موصوف ہی کی کتاب "وحید اللغات" کو حاصل ہے کہ آپ نے خود اس کی کتابت کی ہے، دوسری کتاب "نبراس الساری فی اطراف البخاری" ہے جس کی کاپیاں بھی مؤلف کتاب مولانا ابو سعید عبد العزیز[4] خطیب المتوفی ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء نے خود لکھی تھیں۔

شعر و سخن کا ذوق

مولانا وحید الزماں کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، عربی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، نمونۂ کلام یہ ہے ؎

الا یا طالباً فضل المعانی ۔۔۔ الا یا رائیاً حق المبانی

علی خیر البواکی والغوانی ۔۔۔ تصلی رغبۃ فی امر خیر

سنذکرھا باسناد مبانی ۔۔۔ توجہ فی احادیث صحاح

---

[1] "لائف سی سالہ" ص ۱۴۔
[2] "وحید اللغات"۔ مادۂ "علم"۔
[3] "لائف سی سالہ" ص ۱۵۔
[4] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "یاد رفتگان" از سید سلیمان ندوی طبع کراچی ۱۹۵۵ء

علی شرح المنار اصول فقہ — صحیح فی الفروع وفی المبانی
علی تلک المصائب والدواھی — صبرت علی ابتلاء وامتحان
جزی اللہ اصطبارًا فی البلایا — عفانی[51] ثم عن مرض شفانی
ووفقنی علی تیسیر علم — دقائقہ علی رغم الزمان[52]

اردو کے اشعار زیادہ تر عربی شعروں کا ترجمہ ہیں یا چند اشعار ہیں کتاب کے آغاز اور اختتام کی تاریخیں ہیں، جن کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

اللّٰھمّ لولا انت ما اھتدینا — گر نہ ہوتی تیری رحمت اے شہ عالی صفات
ولا تصدقنا ولا صلّینا — تو نمازیں ہم نہ پڑھتے اور نہ دیتے ہم زکات
فاغفر فداء لک ما اقتفینا — تجھ پہ صدقے جب تلک دنیا میں ہم زندہ رہیں
وثبّت الاقدام ان لاقینا — بخش دے ہم کو، لڑائی میں عطا فرما ثبات
والقین سکینۃ علینا — اپنی رحمت ہم پر نازل کر شہ والا صفات
انا اذا صیح بنا اتینا — جب وہ ناحق چیختے، سنتے نہیں ہم ان کی بات
والصیاح عدّلوا علینا — چیخ چلا کر انھوں نے ہم سے چاہی ہے نجات[53]

تیسیر الباری کی تاریخِ آغاز و اختتام ؎

ہوا اِس ترجمہ کا جب کہ آغاز — لقب جس کو ملا تیسیر باری
دعا کی میں نے یارب اس کی تاریخ — ہوا الہام کہہ "شرح بخاری"
۱۳۲۱ھ

ہوئی کامل یہ جب شرح بخاری — تو حالت ذوق کی تھی مجھ پہ طاری
اِدھر تھی فکر تاریخِ تمامی — اُدھر تھا فیض ربانی بھی جاری
ندا آئی بریدہ کر سرِ کفر — "عجب دلکش ہوئی تیسیر باری"
(۱۳۲۳ھ) = (۲۰) - (۱۳۴۳)

---

[51] عفانی، دراصل عافانی کے معنی میں ہے غالبًا ضرورتِ شعر کی وجہ سے عفانی ہوگیا ہے ۱۲
[52] "اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار" مطبع مصطفائی ۱۲۸۸ھ ص ۲۔
[53] تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری۔ مطبع احمدی لاہور پارہ ۲۵ ص ۴۹۔

انگریزی کی تحصیل

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں جب کاروانِ عمر تیسویں منزل طے کر رہا تھا (انجمن خیر خواہِ ہند کے جلسوں میں لکچر دینے کا اتفاق ہوا (جیسا کہ آگے آئے گا) تو خیال ہوا کہ علوم جدیدہ سے آگاہی بہت ضروری ہے اور یہ انگریزی جانے بغیر ناممکن ہے لہٰذا آپ نے انگریزی کی طرف توجہ کی اور کم و بیش چھ مہینے میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ اپنا مافی الضمیر انگریزی میں بخوبی ادا کر لیتے تھے چنانچہ آپ کے شاگرد مرزا محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں:-

"اسی سنہ ۱۲۹۸ھ میں جب آپ کو معلوم ہوا کہ علوم جدیدہ کا اکتساب بدون حاصل کرنے یورپ کی کسی زبان کے دشوار ہے تو آپ نے انگریزی زبان کی تحصیل شروع کی اور صرف چھ ماہ کے اشتغال میں آپ کو اتنی استعداد حاصل ہو گئی کہ ضروری گفتگو انگریزی زبان میں کر لیتے ہیں لیکن ابھی تک تحصیل میں مصروف ہیں۔"[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں موصوف نے انگریزی میں اچھی استعداد پیدا کر لی تھی جیسا کہ لکھتے ہیں:

"زبانہائے عربی اور فارسی اور انگریزی بقدر کتابت حاصل کیں۔"[2]

قانون کا مطالعہ

انہی ایام میں قانون کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس فن سے واقفیت پیدا کی جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:-

"قوانین دیوانی اور فوجداری اور مالگذاری بھی دیکھے ہیں۔"[3]

٭

---

[1] لائف سی سال ص ۳۲-

[2] تذکرۃ الوحید- ص ۳-

[3] تذکرۃ الوحید- ص ۳-
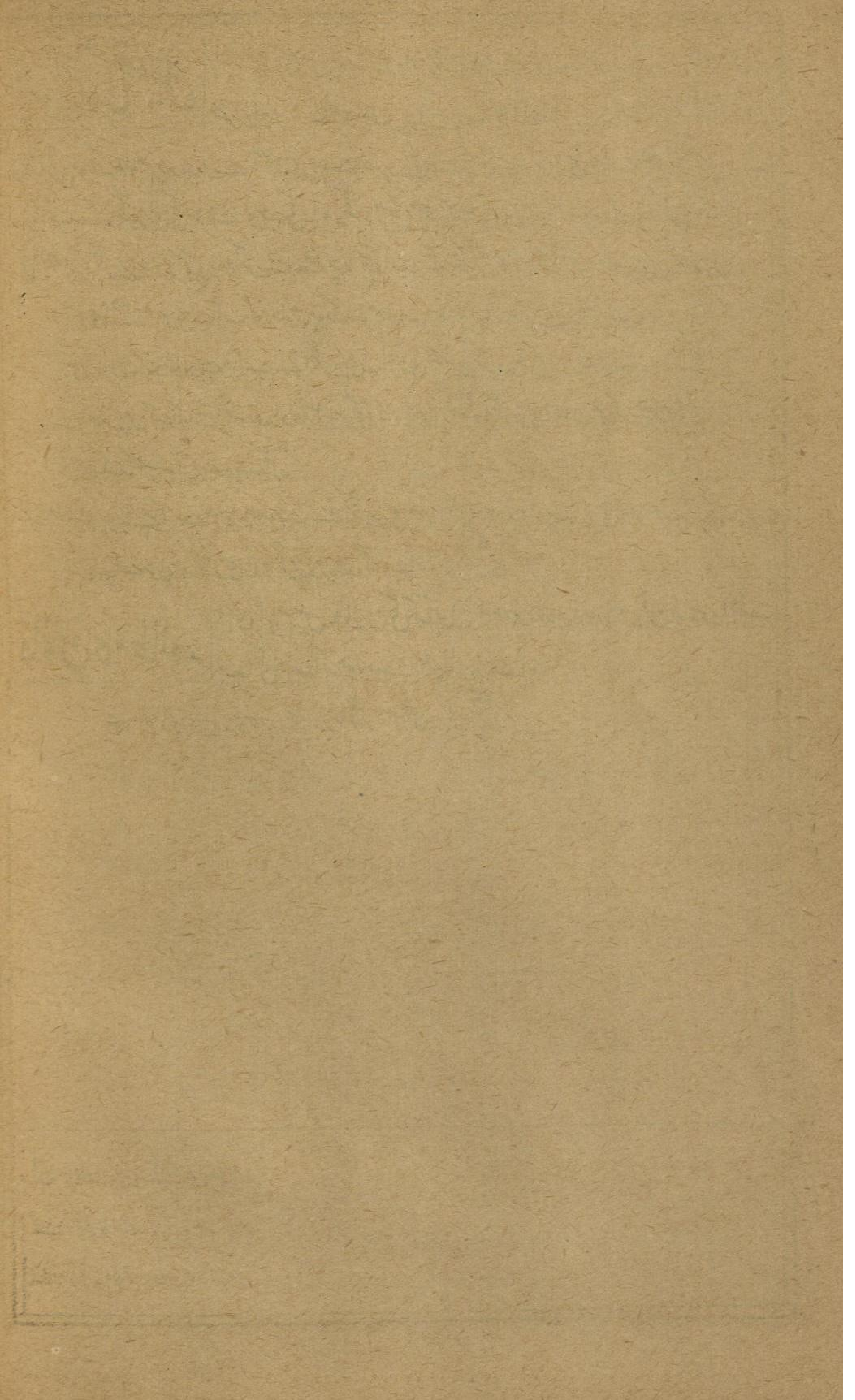
باب چہارم

اخلاق و عادات

- شب وروز کا پروگرام
- شکل وشمائل
- لباس
- طعام
- ناشتہ
- کھانے میں پسندیدہ چیزیں
- پینے کے پانی کا اہتمام
- رہنے کا مکان
- استراحت
- ورزش
- تفریح
- اوضاع واطوار
- مزاج میں عجلت
- قلب میں رقت
- اخلاص اور حُسنِ نیت
- محنت اور جفاکشی
- پابندیٔ اوقات
- ذکرِ الٰہی اور تہجد گزاری
- احتساب
- مہمان نوازی اور رواداری
- خادموں کے ساتھ برتاؤ
- نیک نیتی اور حُسنِ ظن
- والدین سے محبت
- کُنبے کی محبت
- حق گوئی وبیباکی
- اولاد کی تربیت
- عزلت نشینی

انسان کی زندگی اس کے اچھے اخلاق اور عادات سے عبارت ہے۔ آپ کی پیدائش ایک نہایت آسودہ اور علمی خاندان میں ہوئی، تعلیم و تربیت بھی مذہبی ماحول میں پائی۔ سحر خیزی کی عادت اوائل عمر ہی سے ہو گئی تھی، نظم و ضبط اور اوقات کی پابندی بچپن ہی سے مزاج میں راسخ ہو چکی تھی جو عمر بھر قائم رہی۔

شب و روز کا پروگرام

مولانا علی الصباح اُٹھتے اور وضو کر کے پہلے نماز پڑھتے اور پھر چائے پی کر ورزش کرتے اور اس کے بعد قرآن مجید کا ایک پارہ پڑھتے جب حافظ ہو گئے تو دو پارے پڑھتے تھے پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے، دس بجے کھانا کھا کر دفتر چلے جاتے تھے۔ دفتر سے آ کر شام کو ہلکی سی ورزش کرتے اور پھر احباب سے ملاقات کرتے، نو بجے کھانا وغیرہ کھا کر دس بجے بستر پر لیٹتے اور سو جاتے تھے، مرزا محمد حسن لکھنوی آپ کا شبانہ روز کا پروگرام یوں بیان کرتے ہیں:-

"صبح چھ بجے آپ بیدار ہو کر پہلے پیشاب کرتے ہیں پھر وضو کر کے صبح کی نماز پڑھتے ہیں، بعد اس کے چائے موافق موقع اور وقت کے پی کر پائخانے کو جاتے ہیں پھر پائخانے سے فارغ ہو کر جسمانی ورزش شروع کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مگدر زیادہ ہلاتے ہیں اور ڈنڈ کم پیلتے ہیں پھر ریاضت کر کے حمام کو جاتے ہیں اور غسل سے فارغ ہو کر باہر آتے ہیں، اس وقت ایک پارہ کلام اللہ کا تلاوت کرتے ہیں پھر علمی کتابوں کی تالیف و تصنیف میں مشغول رہ کر دس بجے اٹھتے ہیں، اُسوقت دسترخوان بچھایا جاتا ہے، آدھے گھنٹے میں کھانے سے فارغ ہو کر ساڑھے دس بجے اپنی نوکری میں جاتے ہیں اور ظہر اور عصر کی نماز وہیں پڑھتے ہیں اور پانچ بجے نوکری سے مراجعت کر کے پھر مکان پر تشریف لاتے ہیں اور ساڑھے پانچ بجے یا چھ بجے سے طرح طرح کی جسمانی کثرتیں کرتے ہیں، جیسے دوڑنا، چلنا، گیند کھیلنا، سات بجے ورزش سے فراغت کر کے منہ ہاتھ دھو کر مغرب اور عشا کی نماز پڑھتے ہیں پھر ساڑھے سات سے آٹھ بجے تک کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں اور آٹھ بجے سے باہر نکل کر دوستوں سے بات چیت اور ظرافت اور خوش طبعی اور تفریح کرتے ہیں دس بجے تک، دس بجے استراحت فرماتے ہیں اور پھر چھ بجے صبح کے بیدار ہوتے ہیں"[۱]

---

[۱] "لائف سی سالہ" ص ۴۴۔

شکل وشمائل قد قدرے بلند و بالا، کشادہ پیشانی، آنکھیں موٹی موٹی، ناک لمبی اور ستواں کان پتلے اور لمبے، کتابی چہرہ، بھویں گھنی اور لمبی، گردن پتلی اور فراز، پتلے پتلے ہونٹ، دہانہ فراخ، ڈاڑھی گول اور بال ہلکے سیاہ تھے۔[۵۱]

لباس لباس میں ستر پوشی اور موسم دونوں کا خیال رکھتے تھے اور اسی کے مطابق لباس استعمال کرتے تھے جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں مذکور ہے:-

"لباس ہمیشہ آپ ملک اور موسم کے موافق پہنتے ہیں، جاڑوں میں گرم لباس اور گرمی میں ہلکا اور برسات میں معتدل اور ریاضت کے وقت گرم لباس پہن لیتے ہیں تاکہ جلدی پسینہ آئے اور خارجی ہوا ضرر نہ کرے اور جاڑے میں سر کو ڈھانپے رہتے تاکہ نزلہ اور زکام نہ ہو اور سوتے وقت پیٹ پر گرم کپڑا رکھتے ہیں سفید لباس آپ کو بہت پسند ہے اور آٹھواڑے یا چوتھے روز آپ کپڑے بدلتے ہیں اور اس کے ساتھ پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بھی بدلتے ہیں۔"[۵۲]

طعام مولانا وحید الزماںؒ کو بعض عوارض لاحق تھے اس لئے صحت کو برقرار رکھنے کے لئے اصولِ صحت کا بڑا خیال رکھنا پڑتا تھا اور اسی بنا پر غذا میں بھی ان امور کا زیادہ اہتمام تھا جو صحت کے بنانے اور قائم رکھنے میں مفید اور معاون ثابت ہوتے ہیں چنانچہ آپ ہمیشہ نہایت زود ہضم اور ہلکی غذا کھاتے اور یہی پسند کرتے تھے کیونکہ اس قسم کی غذائیں آپ کی طبیعت اور مزاج کے موافق ہوتی تھیں، برخلاف اس کے ثقیل اور دیر ہضم غذا سے احتراز کرتے تھے، خشک میوے بھی کم کھاتے تھے کبھی کھا لیتے تو اس کا مصلح بھی استعمال فرماتے تھے، چنانچہ محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے:-

"اکثر آپ سادی غذا کھاتے ہیں مثلاً روٹی اور ایک قسم کا سالن یا دال اور کبھی میٹھا بھی، مگر قلیل، قیمہ کبھی نہیں کھاتے، گوشت خوب گلا ہوا کھاتے ہیں اور اکثر گوشت کا جرم نہیں کھاتے بلکہ اس کا شوربا پیتے ہیں، مرچ اور ترشی آپ بالکل کم کھاتے ہیں۔

آپ غذا میں لذت کی رعایت کم کرتے ہیں، مگر مزاج کی رعایت زیادہ کرتے ہیں، آپ ہر ایک موسم میں اس کے موافق غذا کھاتے ہیں اور جاڑوں میں انڈے اور گوشت اور مچھلی اور روٹی اور کباب، اور گرمیوں میں ٹھنڈی ترکاریاں اور آشِ جو اور خشکہ، اور برسات میں خشک غذائیں

---

۵۱ "لائف سی سالہ"

۵۲ ایضاً ص ۴۰۔

جیسے چنے کی روٹی، باجرے کی روٹی، کباب یا سوکھا سالن۔ فجر کو اٹھتے ہی آپ جیسا موقع ہوتا ہے اس کے موافق ناشتہ کرتے ہیں مثلاً اگر قبض ہے تو سنا اور زنجبیل (سونٹھ) کا جوشاندہ اور جو گرانی اور نفخ ہے تو الائچی اور سونف اور پودینہ کا جوشاندہ اور جو رطوبت ہے تو صرف چائے یا کافی، دار چینی کے ساتھ اور جو خشکی ہے تو چائے زیادہ دودھ کی اور جو اعتدال ہے اور بھوک ہے تو دودھ کی چائے مع بسکٹ کے شکر ڈال کر استعمال کرتے ہیں، آپ دار چینی اور الائچی شریک کرتے ہیں۔ فجر کو صفرا کی شکایت معلوم ہوتی ہے تو نمکین چائے یا چائے میں عرق لیموں اور گلاب ڈال کر آپ استعمال کرتے ہیں۔

آپ میوہ یا ترکاری کم کھاتے ہیں اور اس کے مصلحات کا استعمال کر لیتے ہیں مثلاً آم کے بعد زنجبیل اور عرق لیموں اور کبھی دودھ اور کبھی خالی چائے کا استعمال کرتے ہیں"۔[۱]

ناشتہ

آپ کھانا دن میں دو دفعہ کھاتے مگر اس میں وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے، البتہ ناشتہ حسب خواہش اور حسب موقعہ کرتے تھے، جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں ہے:۔

"آپ رات دن میں دو وقت کھانا کھاتے ہیں ایک دس بجے دن کو دوسرے آٹھ بجے رات کو اور صبح کا ناشتہ غیر معین ہے جیسا موقع ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتے ہیں"۔[۲]

کھانے میں پسندیدہ چیزیں

مولانا کو پھلوں میں آم بہت پسند تھا اور یہ موصوف کے مزاج کے بھی موافق تھا اس لئے شوق سے کھاتے تھے، فرماتے ہیں:۔

"اوائل عمر میں آم کا میوہ مزاج کے بہت موافق آتا تھا اور قبض کو مفید ہوتا تھا"۔[۳]

سبز ترکاریوں میں موصوف کو میتھی بہت پسند تھی، اس کو کثرت سے پکواتے اور بڑے شوق سے کھاتے تھے، چنانچہ موصوف کا بیان ہے:۔

"حقیقت میں میتھی بڑی فائدہ مند چیز ہے میں تو ساری ترکاریوں میں میتھی کی بھاجی بہت پسند کرتا ہوں کیونکہ رافع قبض، مدر بول، دافع درد بواسیر ہے"۔[۴]

---

[۱] "لائف سی سالہ" ص ۳۸۔
[۲] ایضاً ص ۳۹۔
[۳] "وحید اللغات"۔ مادہ "کظ"۔
[۴] ایضاً مادہ "حلب"۔

گوشت میں آپ کو بکری کا گوشت اور اس میں بھی دست اور گردن کا حصہ پسند تھا، یہی پکواتے اور بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں :-

"میں تو ہمیشہ دست یا گردن ہی کا گوشت کھاتا ہوں اور ران کا گوشت مجھ کو بالکل پسند نہیں ہے بعض لوگ ران کے گوشت کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف طبائع کے لوگ بنائے ہیں"[۱]

پینے کے پانی کا اہتمام

مولانا پانی پینے میں بھی بہت محتاط تھے اور پینے کا پانی نہایت اہتمام سے تیار کیا ہوا استعمال کرتے تھے، جس کی کیفیت مرزا حسن علی لکھنوی کی زبانی سننے کے قابل ہے، فرماتے ہیں :-

"پانی ہمیشہ آپ صاف اور ستھرا پیتے ہیں اس طرح کہ پہلے پانی کو جوش دیتے ہیں پھر اس کو ٹھنڈا کر کے سنگین کپڑے میں چھان کر ایک گھڑے میں بھر دیتے ہیں اور اس کے پیندے میں ایک باریک سوراخ کر کے اس کے تلے ایک گھڑا رکھتے ہیں جس میں کوئلے بھرے ہوتے ہیں پھر اس کے تلے ایک اور گھڑا جس میں صاف پاک ریت بھری ہوتی ہے پھر اس کے تلے ایک خالی اور صاف گھڑا۔ جو پانی ٹپک کر اس نیچے کے گھڑے میں جمع ہوتا ہے اس کو آپ پیا کرتے ہیں۔

ہمیشہ آپ پانی غذا سے دو گھنٹے بعد استعمال کرتے ہیں اور کھانے کے بعد یا کھانے کے بیچ میں پانی نہیں پیتے اور آپ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو ممکن ہو تو میں اس پانی کو بھی نہ پیوں بلکہ پانی کا عرق کھینچ کر پیا کروں کیونکہ اس پانی میں مضر اجزاء بالکل نہیں رہتے"[۵۲]

رہنے کا مکان

آپ ہمیشہ آبادی سے دور نہایت کشادہ اور ہوادار مکان میں رہتے جو بلندی پر واقع ہوتا۔ جہاں کی آب و ہوا خشک اور صحت کے لئے مفید ہوتی تھی، اسی قسم کے مکان کو پسند کرتے اور حفظانِ صحت کے لئے ضروری سمجھتے تھے، جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں ہے :-

"ہوائے صاف آپ کو نہایت مرغوب ہے، آپ اکثر فرماتے ہیں کہ انسان کو اچھی تر و تازہ اور پاک صاف ہوا کی غذا سے زیادہ احتیاج ہے اور اسی لئے آپ آبادی سے اکثر دور رہا کرتے ہیں اور مکان میں کوئلے اور چونے کے ڈھیر لگا دیتے ہیں تاکہ ہوا کی سمیت اس میں جذب ہو جائے اور اکثر آپ ایسے مکان میں رہتے ہیں جس کے گرد اگرد درخت اور باغات ہوتے ہیں تاکہ ہوا صاف ہو کر آئے"[۵۳]

---

[۱] "وحید اللغات" مادہ "ذ ر ع"
[۵۲] "لائف سی سالہ" ص ۳۹ -
[۵۳] ایضاً ص ۴۲ - ۱۲

استراحت آپ رات کو دس بجے سوتے مگر آٹھ گھنٹے تک خوب نیند بھر کے سوتے تھے اور صبح چھ بجے اٹھتے تھے، سوتے وقت عطر بھی لگاتے تھے تاکہ نیند اچھی طرح آئے جیسا کہ مرزا محمد حسن لکھتے ہیں :-

"جب سونے لگتے ہیں تو پیشاب سے فارغ ہو کر اور پانی پی کر سوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں جو آٹھ گھنٹے سوتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جسمانی ورزش کرتا ہوں جس کے لئے سکون اور راحت زیادہ درکار ہے ورنہ صرف چھ گھنٹے سونا کافی ہے، دن کو آپ کبھی نہیں سوتے اور فرماتے ہیں کہ دن کا سونا سستی اور کاہلی اور طرح طرح کی بیماریاں پیدا کرتا ہے۔

جب آپ سوتے ہیں تو پہلے داہنی کروٹ پر لیٹتے ہیں پھر بائیں کروٹ پر، پھر داہنی کروٹ پر اور کبھی پشت پر بھی سوتے ہیں لیکن چت کبھی نہیں سوتے۔

آپ اکثر سوتے وقت عطر لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو عطر اپنے مزاج کے موافق ہو اس کو لگا کر سونے سے نیند خوب آتی ہے، آپ صبح سویرے بیدار ہوتے ہیں اور کبھی دن چڑھے تک نہیں سوتے، ہمیشہ آپ ایسے مقام میں سوتے ہیں جو باورچی خانے سے بہت دور ہو اور کسی قسم کا دھواں وہاں نہ آتا ہو"[۵۱]

ورزش آپ روزانہ کھلے میدان میں ورزش کرتے تھے، صبح ڈنڈ پیلتے اور مگدر ہلاتے تھے شام کو دوڑتے اور گیند کھیلتے تھے، صبح ورزش کرنے کے بعد خوب بدن کو ملوا کر نہاتے تھے "لائف سی سالہ" میں ہے :-

آپ ہر روز غسل کرتے ہیں اور قبل غسل کے ریاضت جسمانی کرتے ہیں بعد اس کے بدن کو آہستہ آہستہ ملواتے ہیں پھر عمدہ خوشبودار بٹنی جس میں تیل پڑا ہوتا ہے ملوا کر گرمیوں میں ٹھنڈے پانی سے اور جاڑوں میں گرم پانی سے نہاتے ہیں"[۵۲]

موصوف کا جسم گٹھا ہوا اور ورزشی تھا۔ دیکھنے والوں کو پہلوان اور جری معلوم ہوتے تھے حالانکہ دل کے بڑے بودے تھے جیسا کہ خود لکھتے ہیں :-

"میرا یہ حال تھا کہ جب زور کی برسات ہوتی اور مکان خوفناک ہوتا تو میں اس میں سے نکل کر صحن میں جا کر پالکی میں سو رہتا اس لئے لوگ مجھ کو بزدل اور ڈرپوک بھی کہتے مگر کیا کروں میرا دل ہی مالک نے

---

۵۱ "لائف سی سالہ" ص ۴۲

۵۲ ایضاً ص ۴۳

ایسا بنایا ہے کہ مواقع خوف اور ہلاکت سے احتراز کرتا ہوں[1]"۔

یہ ورزش صحت کی حفاظت اور بقا کی غرض سے کی جاتی تھی کیونکہ بعض عوارض ایسے لاحق ہو گئے تھے کہ اگر صحت کی طرف سے ذرا بھی بے اعتنائی برتی جاتی تو صحت کبھی کی برباد ہو جاتی۔ دس برس کی عمر سے خارش اور پھوڑے پھنسیاں نکلنے شروع ہوئے اور تقریباً پندرہ برس تک ہر سال نکلتے رہے۔

مرزا محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں:-

"آپ فرماتے تھے کہ مجھے دس برس کے سن سے پچیس برس تک یہ عارضہ رہا کہ ہمیشہ خارش نکلتی ہے اور پھوڑے پھنسیاں ہوتے ہیں[2]"۔

پھر بواسیر کا روگ لگ گیا جو عمر بھر نہ گیا، چنانچہ موصوف کا بیان ہے:-

"میرا بھی عجب حال ہے میں قبض کے عارضے میں مبتلا ہوں اگر سیر ہو کر کھاتا ہوں تو گرانی معلوم ہوتی ہے نفخ اور ریاح سے طبیعت بے چین ہوتی ہے۔ اگر کم کھاتا ہوں جو مجھ کو نہایت پسند ہے تو قبض ہو جاتا ہے بہرحال اب زندگی تلخ ہے اور آرام اور عیش و نشاط کی کوئی بات راس نہیں آتی، اوائل عمر میں آم کا میوہ مزاج کے بہت موافق آتا تھا اور قبض کو مفید ہوتا تھا اب آم بھی موافق نہیں آتا کھانسی کی شدت کر دیتا ہے اور نفخ اور درد شکم پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ دنیا کی زندگی کا خاتمہ خیر اور خوبی کے ساتھ کر دے، اس کے فضل و کرم سے امیدوار ہوں کہ بہشت ہی میں چین عنایت فرمائیگا رفع قبض کے لئے میں نے سیکڑوں نسخے استعمال کئے مگر ہر ایک میں اندیشہ پیچش کا پیدا ہوا۔ ایک نسخہ اس مدت العمر میں مجھ کو ملا ہے اسی کا استعمال کرتا ہوں۔ اس سے پیچش بھی نہیں ہوتی اور اجابت بہ فراغت آجاتی ہے، میں اس کو اپنے بھائیوں کے لئے جو قبض کے عارضے میں گرفتار ہوں لکھے دیتا ہوں

(۱) اکسٹرکٹ بلاڈونا۔	(۲) اکسٹرکٹ نکس وامیکا۔	(۳) الوز
آدھا گرین	آدھا گرین	دو گرین

تینوں دواؤں کو ملا کر، ایک گولی بنا کر شب کو سوتے وقت جب غذا معدے سے گذر گئی ہو کھالیں یا پانی سے نگل لیں[3]"۔

اسی عارضہ کی وجہ سے موصوف جمع بین الصلوٰتین[4] کرتے تھے جیسا کہ لکھتے ہیں:-

---

[1] "وحید اللغات" مادہ "ھ ل ف"۔

[2] "لائف سی سالہ" ص ۶۲

[3] "وحید اللغات" مادہ "کظّ"۔ ۱۲

[4] جمع بین الصلوٰتین کا مطلب ہے دو فرض نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جیسے نماز ظہر اور عصر کو (باقی بر صفحہ آئندہ)

"مجھ کو بواسیر اور ریاح کی شکایت ہے۔ میں ہمیشہ ظہر او رعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا کرتا ہوں بعض اہل حدیث نے بلاعذر بھی جمع درست رکھا ہے بشرطیکہ اہل شیعہ کی طرح اس کی عادت نہ بنالے[1]"

ان عوارض کے باوجود اس ورزش ہی کا یہ اثر تھا کہ موصوف کے قویٰ آخری دم تک بہت مضبوط رہے ستر برس کی عمر تک جسم میں بے پناہ جفاکشی کی طاقت تھی اور سماعت اور بصارت میں قطعاً کوئی فرق نہیں آیا تھا جیسا کہ موصوف کا بیان ہے :۔

"میری عمر اب ستر کے قریب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آنکھ اور کان کی قوت مثل ایام جوانی کے ہے اور ابھی تک کئی میل چل سکتا ہوں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ صبح کے چھ بجے سے شام کے پانچ بجے تک برابر لکھتا رہتا ہوں وہ بھی روزانہ بلاناغہ۔ یہانتک کہ یوم السعید بھی اپنا شغل ناغہ نہیں کرتا اور بڑے بڑے قوی اور مضبوط جوان چھ گھنٹے پیہم کتابت کرنے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، میں گیارہ گھنٹے برابر لکھتا رہتا ہوں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء[2]"

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

ظہر یا عصر کے وقت میں پڑھنا یا مغرب اور عشاء کو مغرب کے وقت میں ادا کرنا، یا نماز مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنا۔

حج کے موقعہ پر عرفات میں نماز ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا جاتا ہے اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے یہ بالاتفاق جائز اور سنت ہے ان دو مقاموں کے سوا کبھی اور کہیں ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر احناف اس کی مطلق اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس میں نماز اپنے وقت پر ادا نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا ایک وقت مقرر کیا ہے آیہ شریفہ ہے: إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (سورہ نساء: ۱۰۳) (بیشک نماز مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقتوں میں فرض ہے) ایسا کرنے سے فرض نماز کا وقت مقرر نہیں رہتا اس بناپر احناف اس امر کی اجازت نہیں دیتے ہیں کہ ایک وقت میں دو فرض نمازیں ادا کی جائیں۔

شریعت اسلامیہ کا جو منشاء ہے کہ ہر نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اسی پر احناف عامل اور اسی کے قائل ہیں، جن روایتوں سے جمع بین الصلوٰتین پر استدلال کیا جاتا ہے احناف ان کو بھی نص قرآنی کے خلاف نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ایسی تمام روایات کو جمع صوری قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی دو نمازوں کو ایک وقت میں ادا نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا ہے اور دوسری نماز کو اول وقت میں پڑھ لیا ہے جو بظاہر جمع کہی جاسکتی ہیں، حقیقت میں جمع نہیں ہیں کیونکہ ان دو نمازوں میں اتنا فصل نہیں ہوا جتنا کہ عام طور پر دو وقت کی نمازوں میں ہوتا ہے اس لئے اس کو جمع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ احناف کے نقطۂ نظر سے جمع بین الصلوٰتین والی روایتوں کا یہی محمل ہے۔ ۱۲

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

[1] "وحید اللغات"۔ لفظ "إلّا"۔

[2] ایضاً مادہ "کلف"۔ ۱۲

تفریح مولانا وحید الزماں مہینہ میں ایک دن جسم کے لئے مکمل راحت اور دماغ کے لئے کامل سکون ضروری سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ہفتہ میں ایک دن گھر سے باہر کسی قریبی گاؤں میں جاتے اور دن بھر وہاں قیام کرتے پھر گھر واپس آجاتے لیکن پانی گھر سے ساتھ لے جاتے تھے، کیونکہ کہیں اس طرح اہتمام سے تیار کیا ہوا پانی نہیں ملتا تھا جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں

"ہفتے میں دو ایک بار آپ دور جنگل کو بھی جاتے ہیں اور ہر ماہ میں ایک دفعہ شہر سے پانچ چھ کوس جا کر کسی گاؤں میں یا مسجد یا مکان میں دن بھر رہتے ہیں لیکن پانی اپنے گھر سے ساتھ لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اکثر پانی کی تبدیلی سے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں[۵۱]"

اوضاع واطوار آپ نہایت بااخلاق اور ملنسار تھے، مزاج میں تواضع اور انکسار تھا ہمدردی اور خیر خواہی تھی، آپ ہر شخص کے مرتبہ کا خیال رکھتے اور اس کے مرتبہ کے مطابق اس سے گفتگو کرتے تھے البتہ بزرگوں سے ان کے معمولات بھی بہت پوچھا کرتے تھے چنانچہ مرزا محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں :-

آپ ہر شخص سے اُس کی شان کے موافق گفتگو کرتے ہیں، بوڑھوں سے اُن کے خیالات کے موافق اور جوانوں سے اُن کے موافق اور لڑکوں سے ان کے موافق[۵۲]"

مزاج میں عجلت مولانا کے مزاج میں عجلت بہت تھی۔ آپ جو کام بھی کرنا چاہتے تھے جلد ہی کر گزرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں کبھی ندامت بھی ہوتی اور بسا اوقات نقصان بھی اٹھاتے تھے مگر جہاں مزاج میں عجلت تھی وہاں طبیعت میں استقلال بھی بلا کا تھا جس نے اس عیب کو زیادہ نمایاں نہ ہونے دیا۔ جب کسی کام کو شروع کیا جلدی کیا اور کبھی ہمت نہ ہاری اور جب تک اس کو ختم نہ کر لیا چین نہ آیا، ہر کام کو ہمیشہ پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ موصوف اپنی عجلت کا یوں اعتراف کرتے ہیں :-

"میرے مزاج میں بھی جلدی ہے اور بار بار مجھ کو اس کی وجہ سے ندامت ہوتی ہے مگر پھر بھی مزاج کی جلدی نہیں جاتی کسی کام میں بن سوچے سمجھے جلدی کر بیٹھنے کا یا جلدی سے مونھ سے بات نکال دینے کا یا جلدی میں تحریر کر دینے کا یہی انجام ہوتا ہے کہ عمر بھر ندامت رہتی ہے[۵۳]"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

---

۵۱ "لائف سی سالہ ص ۴۵۔
۵۲ ایضاً ص ۳۲۔
۵۳ وحید اللغات ۔ مادہ "کسع" ۱۲

"لاتدبّروا اعجاز امور قد ولّت صدورھا۔ ان کاموں کے انجام میں غور نہ کرو جن کو آغاز کر چکے ہو (مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے انجام میں فکر کرنا چاہیے جب فکر نہ کی اور وہ کام شروع کر دیا تو اب اس کا جو نتیجہ نکلے اس کا غم کرنے سے کیا حاصل اب تو غور اور فکر کا موقع گذر گیا) مجھ کو اس حدیث پر عمل نہ کرنے سے بڑے بڑے تفکرات اور اندیشے حاصل ہوئے ہیں ہر چند چاہتا ہوں کہ اس حدیث پر پورا پورا عمل کروں مگر شیطان بھڑکا دیتا ہے اور بعضی بات بن سوچے سمجھے طیش میں آکر نکال دیتا ہوں یا بعضا کام جلدی میں کر بیٹھتا ہوں پھر اس پر ندامت ہوتی ہے اللّٰھم سدّدنی فی القول والعمل وارشدنی الی ما ھو اصلح لدنیای و اٰخرتی اٰمین یا رب العٰلمین[۱]"

آپ کے مزاج میں مزاح بھی تھا، آپ احباب سے خوش طبعی بھی کرتے تھے مگر مزاج میں چونکہ عجلت تھی اور اسی کا اثر تھا کہ زبان اور قلم دونوں پر قابو نہ تھا کبھی کبھی منہ سے ایسی بات نکل جاتی جو بعض طبائع پر گراں گزرتی تھی جیسا کہ مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے:۔

"آپ مزاح کرتے اور کبھی کبھی مزاح میں ایسی بات نکل جاتی ہے جس سے دوسرا رنجیدہ ہو اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ بڑا عیب ہے، میں بہت چاہتا ہوں کہ کوئی بات میرے منہ سے ایسی نہ نکلے جس سے دوسرا رنجیدہ ہو مگر پھر بھی کبھی کبھی نکل ہی جاتی ہے[۲]"

یہ عجلت اور جلد بازی آخر عمر تک نہیں گئی، فرماتے ہیں:۔

"ابھی تک مجھ کو اپنی زبان پر پورے قابو حاصل نہیں ہوئے اور نہ قلم پر اور اس وجہ سے طرح طرح کی مصیبتوں اور اندیشوں میں گرفتار ہو جاتا ہوں اللّٰھم انی اعوذ بك من شر لسانی[۳]"

قلب میں رقت

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے قلب نہایت رقیق اور دل بڑا دردمند دیا تھا یہی وجہ تھی کہ غریبوں کو دیکھکر دل بھر آتا تھا اور ہمیشہ ان کی فلاح اور بہبود کی کوشش کرتے تھے ان کے ساتھ کبھی امتیازی سلوک روا نہ رکھتے تھے "لائف سی سالہ" میں ہے:۔

"آپ غریب آدمیوں پر بہت مہربان اور شفقت کرتے ہیں اور کبھی ان کو ایذا نہیں دیتے بلکہ غریب آدمیوں کو اپنے برابر بٹھاتے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں[۴]"

۱؎ وحید اللغات۔ مادہ "عَجُزٌ"۔ ۱۲

۲؎ لائف سی سالہ۔ ص ۳۶۔ ۱۲

۳؎ وحید اللغات۔ مادہ "مَلَكَ"۔ ۱۲

۴؎ لائف سی سالہ۔ ص ۳۷۔ ۱۲

رقت قلب ہی کا سبب تھا کہ جب کوئی دلخراش واقعہ یاد آتا تو بیساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے فرماتے ہیں:۔

"کوئی دنیا میں ایسا ہوگا جس کو آپ (امام حسین رضی اللہ عنہ) کے مصائب یاد کر کے رونا نہ آتا ہوگا میں تو تنہائی میں بھی جب آپ کی شہادت کا حال کتاب میں دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار رونا آجاتا ہے اسی طرح حضرت عائشہ رض کی حدیث افک کو جب پڑھتا ہوں تو آنسو جاری ہو جاتے ہیں"[۵۱]

اخلاص اور حسنِ نیت

مولانا وحید الزماں ؒ نے زندگی کا بیشتر حصہ دین کی خدمت اور اشاعتِ سنت میں گذارا، بڑی بڑی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا مگر دین کی اس خدمت اور ترویج سنت کی توفیق پر ہمیشہ خدا کا شکر ادا کیا، نہ کبھی اس پر فخر کیا اور نہ کبھی اس پر اِترائے، اگر احباب میں سے کسی نے کہا بھی کہ آپ نے اتنی عظیم الشان خدمات انجام دیں اور ایسی ایسی حدیث کی مہتم بالشان کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا، تو اس پر آپ نے جو فقرے کہے ہیں وہ آپ کے اخلاص اور حسنِ نیت کی بین دلیل ہیں، فرماتے ہیں:۔

"ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ نے بہت سی کتابیں حدیث اور فقہ کی ترجمہ اور تالیف کیں مجھ کو اسی حدیث کا خیال آیا اور میں نے کہا بارے خدایا اگر تو قبول کرلے تو ایک حدیث کی خدمت نجات کے لئے کافی ہے اگر قبول نہ کرے تو یہ سب محنت بے نتیجہ ہے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"[۵۲]

محنت اور جفاکشی

محنت اور جفاکشی بھی مولانا وحید الزماں ؒ کے خاص اوصاف میں سے تھی، بچپن ہی سے اپنے آپ کو محنت کا عادی بنایا تھا جن علوم کی تحصیل لوگ برسوں میں کرتے ہیں ان کو اپنی سعی اور کوشش، جدوجہد اور محنت سے مہینوں میں حاصل کر لیتے تھے، ملازمت کے بعد ہر طرح کا آرام اور سہولت میسر تھی اگر چاہتے تو نہایت عیش سے زندگی بسر کرتے مگر آپ نے اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اسی محنت کے بل پر چھ مہینے میں انگریزی سیکھی اور سال بھر میں قرآن پاک حفظ کر لیا، مزید برآں تالیفات اور تراجم کا سلسلہ برابر جاری رکھا جو کتاب بھی تالیف کی یا جس کتاب کا بھی ترجمہ کیا وہ بڑی محنت اور ژرف نگاہی سے کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب کہ ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے آپ کی تالیفات اور تراجم کا ایک

---

۵۱ وحید اللغات مادہ "عبر" ۱۲

۵۲ ایضاً مادہ "بق" ۱۲

مقام ہے۔ یہ جفاکشی اور محنت عالم پیری میں دور شباب سے بھی بڑھ گئی تھی جب عموماً قویٰ جواب دیجاتے ہیں اور ہاتھ میں قلم پکڑنے کی سکت نہیں رہتی ہے آپ آٹھ آٹھ اور دس دس گھنٹے تک مسلسل لکھا کرتے تھے اس کا اندازہ قارئین کو موصوف کے حسب ذیل بیان سے ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں:۔

"میری عمر اب ستر کے قریب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آنکھ اور کان کی قوت مثل ایام جوانی کے ہے اور ابھی تک کئی میل چل سکتا ہوں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ صبح کے چھ بجے سے شام کے پانچ بجے تک برابر لکھتا رہتا ہوں وہ بھی روزانہ بلا ناغہ یہاں تک کہ یوم العید بھی اپنا شغل ناغہ نہیں کرتا۔"[1]

پابندئ اوقات

آپ کی زندگی شروع سے نظم و ضبط کا مرقع تھی مگر جب مشاغل کی کثرت ہوئی تو اوقات کی پابندی بھی سخت تر ہوتی گئی، اگر موصوف کے اوقات منضبط نہ ہوتے تو ان مشاغل گوناگوں کے ساتھ کیونکر اتنی کتابیں لکھی جا سکتی تھیں، آپ ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہے کہ اوقات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے چنانچہ مولانا کا شب و روز کا پروگرام سابق میں گزر چکا جس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ موصوف کے ہاں ہر کام کا ایک وقت مقرر تھا اور وہ کام اپنے وقت پر ہی انجام پاتا تھا۔

ذکرِ الٰہی اور تہجد گزاری

مولانا وحید الزماں جب سے مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ سے بیعت ہوئے تھے قادریہ سلسلہ کے اعمال و اشغال کا ورد رہا، بعد میں نقشبندیہ طریقہ سے ذکر کرنے لگے، تہجد شروع کی تو پھر مداومت سے ادا کی، لکھتے ہیں:۔

"میں گیارہ رکعتیں پڑھتا ہوں اس طرح پر کہ پہلا دوگانہ بیٹھ کر مختصر ادا کرتا ہوں پھر آٹھ رکعتیں کھڑے رہ کر۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتا ہوں۔ پھر ایک رکعت پڑھتا ہوں، رمضان اور غیر رمضان میں یکساں کرتا ہوں۔"[2]

خاندانی اوراد اس کے علاوہ تھے جن پر خود بھی مداومت کرتے اور اپنے مخصوص احباب اور دوستوں کو بھی بتاتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے خاندان میں ایک ورد چلا آتا ہے جس کو میں نے راز میں رکھا خاص خاص اشخاص کو بتاتا رہتا۔ میں عام مسلمان بھائیوں کے نفع کے لئے اس کو اب فاش کئے دیتا ہوں جو کوئی اس کو

---

[1] وحید اللغات بادہ "کلف"۔ ۱۲

[2] ایضاً مادہ "صلی"۔ واضح رہے یہ اہلِ حدیث کا مسلک ہے احناف کے یہاں وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں ایک رکعت نہیں۔ ۱۲

رات اور دن بلا تعداد اور بلا تعین وقت پڑھا کرے تو اس کو غنا اور تونگری اور عزت اور فلاحِ اُخروی حاصل ہوگی اور اللہ چاہے تو سب بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔ وہ ورد یہ ہے :۔

اَللّٰہُ رَبِّیْ لَآ اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ، سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، یَا رَافِعُ یَا مُعِزُّ، یَا غَنِیُّ یَا مُغْنِیُّ، یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ، یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ،

یہ کل پندرہ کلمے ہیں[۱]"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان اللہ کی یاد میں تر رہتی تھی۔

احتساب موصوف کبھی کبھی خلوت میں احتسابِ نفس بھی کرتے تھے اور خدا کے احسانات کا شکر ادا کرتے تھے۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں جنھیں کبھی خلوت میں بیٹھ کر یہ توفیق ہوتی ہو کہ وہ اپنے نفس کا جائزہ لیں کہ خدا نے جن نعمتوں سے انھیں نوازا ہے کیا وہ اس کے مستحق بھی تھے؟ اور کیا انھوں نے ان گوناگوں نعمتوں کا حق بھی ادا کیا ہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیا ہے! نیز کبھی اپنے نفس کی شورش اور سرکشی پر بھی دھیان دیا اور غور کیا ہے؟ بہت سے لوگ ہیں جنھیں عمر بھر یہی آرزو اور تمنا رہتی ہے کہ یہ اور مل جاتا اور وہ ہاتھ آجاتا حالانکہ جتنا خدا نے دیا اس کا ہی کتنا حق ادا کیا تھا، مولانا خلوت میں ان سب باتوں پر غور کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"میں بھی اپنے مالک کا شکر گزار ہوں اور اظہارِ شکر کی راہ سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت ایسی باقی نہیں رکھی جو مجھ کو نہ دی ہو، اس نے علمِ دین عنایت فرمایا، قرآن اور حدیث کی خدمت مجھ سے لی، شرافتِ نسب اور حسن وجمال ظاہری میں ایک وافر حصہ مجھ کو دیا اس کے ساتھ دولت اتنی دی کہ اکثر مولویوں کو ایسی کم ملتی ہے پھر اولاد بنین اور بنات بھی عطا فرمائی پھر علوم رسمی اور الٰہی بھی دیئے پھر فلسفہ جدیدہ اور انگریزی زبان کی بھی تعلیم کی۔ میں تو جہاں تک غور کرتا ہوں مولویوں میں کوئی ایسا مولوی نہیں پاتا جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ سب نعمتیں دی ہوں اس پر طرہ یہ ہے کہ خطاب خانی اور بہادری اور نوابی سے بھی سرفراز ہوا اور کئی سال تک مجھ کو ایک بڑی ریاست کی

---

[۱] وحید اللغات ۔ مادہ "جل" ۱۲۔

ایسی حکومت عطا فرمائی کہ کل سیاہ وسفید اُس کا میری رائے پر ہوتا، غرض کوئی آرزو میری حق تعالےٰ نے ایسی باقی نہیں رکھی جس کو اس نے پورا نہ کیا ہو، گو میں اس کے سب بندوں میں بے حد گنہگار اور حقیر ہوں مگر اس کو اختیار ہے وہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل وکرم کرتا ہے، دنیا میں اس نے مجھ کو کسی امیر یا نواب یا ساہوکار کا محتاج نہ رکھا ایسے ہی وہ آخرت میں بھی اپنے فضل وکرم سے بیڑا پار کردے گا۔ ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ[1]"

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں :-

"مجھ کو دنیا میں کسی مولوی پر رشک نہیں ہوا اس لئے کہ میں اپنے اوپر اللہ کی نعمتیں سب سے زیادہ سمجھتا تھا، ایک نواب صدیق حسن خان بہادر مرحوم ومغفور پر رشک ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کو سیادت، شرافتِ نسب، حکومت ودولت، حسن وجمال، علم وکمال، اولاد واہل وعیال، ساری نعمتیں عطا فرمائی تھیں اور ان کی دولت نیک کاموں میں یعنی قرآن وحدیث کی اشاعت میں صرف ہو رہی تھی[2]"

نفس کی شورش کا تذکرہ اس طرح سے کرتے ہیں :-

"میری عمر ستر کے قریب پہنچی ہے لیکن ابھی تک نفس پورا مغلوب نہیں ہوا، پورا کیا کچھ بھی مغلوب نہیں ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کو مغلوب کر کے عقل اور شرع کا تابع کردے، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ بعض خواہشیں جو اس وقت کم ہوگئی ہیں وہ نہ اس وجہ سے کہ میں نے نفس کو مغلوب کیا بلکہ اس وجہ سے کہ نفس میں اُس خواہش کے پورا کرنے کی قوت ہی نہیں رہی عصمت بی بی از بیچارگی، توبہ آنگاہ از گنہ کردم کہ مرا طاقت نماند[3]"

ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"حجبت النار بالشہوات والجنۃ بالمکارہ (دوزخ شہوتوں اور خواہشوں سے ڈھانپی گئی ہے اور بہشت ان باتوں سے جو نفس کو ناگوار ہیں) میں سچ کہتا ہوں کہ اب تک باوصف اتنی عمر ہونے کے یہ مرتبہ مجھ کو حاصل نہیں ہوا کہ غصہ اور شہوت دونوں عقل کے پورے تابعدار ہوجائیں اور کبھی کبھی یہ کتے اور سور زور کر کے عقل پر غالب آجاتے ہیں[4]"

مذکورۂ بالا واقعہ سے موصوف کی نیک نفسی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "فخر" ۱۲
[2] ایضاً مادہ "نعم" ۱۲
[3] ایضاً مادہ "کلب" ۱۲
[4] ایضاً مادہ "شہوۃ" ۱۲

مہمان نوازی اور رواداری

مولانا وحید الزماں جب نواب وقار الامراء کے معتمد مقرر ہوئے اور وقار نواز جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے اس وقت سے آپ کا مکان مہمانسرا بن گیا تھا۔ ابتداء میں احباب کا حلقہ گرچہ زیادہ وسیع نہ تھا مگر جوں جوں عہدوں میں ترقی ہوتی گئی احباب بھی بڑھتے رہے، کثرتِ کار کے باوجود جب بھی کوئی آتا، پان کھلاتے، چائے پلاتے اور بسا اوقات کھانا بھی کھلاتے تھے، مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے:۔

"دوستوں کی خاطرداری پان اور چائے اور عطر اور کھانے سے بہت کرتے ہیں[1]"

اپنے دورِ معتمدی میں مولانا اہلِ علم احباب کو حیدرآباد بلاتے اپنے مکان ہی پر ٹھہراتے شہر میں اُن کی تقریروں کا انتظام کرتے اور ریاست سے ان کا وظیفہ جاری کراتے تھے۔ چنانچہ بدر الحسن سہوانی "بدر البصیر" میں لکھتے ہیں:۔

"جس وقت مولانا مرحوم (بشیر حسن قنوجی) کو مولوی وحید الزماں حیدرآبادی نے حیدرآباد دکن بلایا بعد رونق افروز ہونے کے راقم پہنچا۔"

موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"داغ دہلوی نے نظام سے کہا کہ یہ مولانا (بشیر حسن قنوجی) علوم دینیہ کے دریا اور فنونِ عقلیہ کے معدن ہیں اور ان کا بھانجہ شاعر بھی ہے۔ نظام مرحوم نے سواری بھیجکر وقار الملک یعنی مولوی وحید الزماں مرحوم کے مکان سے بلوایا اور مولانا بدر الحسن بدر سے اس مصرع پر گرہ لگانے کو کہا ع "جنگل لگا ہوا ہے ہمارے چمن کے پاس"۔ مولانا بدر نے اس پر تین گرہ لگائیں۔ ہم ناظرین کی دلچسپی کیلئے ایک گرہ اور مطلع یہاں نقل کرتے ہیں۔ گرہ بھی خوب ہے اور مطلع بھی لاجواب کہا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

پردہ ہے اک نفس کا حیات و ممات میں — جنگل لگا ہوا ہے ہمارے چمن کے پاس

مطلع

رہتا ہوں یاس و حسرت و رنج و محن کے پاس — خلوت میں بیٹھتا ہوں مگر انجمن کے پاس[2]"

خادموں کے ساتھ برتاؤ

مولانا وحید الزماںؒ نے ایک زمانۂ دراز تک ملازمت کی اور ہمیشہ اپنے رفیقوں اور نوکروں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھا ان کی دلجوئی کی اور برادرانہ سلوک کیا، کبھی ان کو اپنے سامنے کھڑا نہ رکھا جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:۔

"میرے سامنے نوکر اور خادم اگر کبھی آکر کھڑے ہو جاتے ہیں تو میں ان کو فوراً بیٹھ جانے کا حکم دیتا ہوں[3]"

---

[1] لائف سی سالہ ص ۳۷۔۱۲
[2] بدر البصیر فی سوانح مولانا محمد بشیر" قلمی تذکرہ ص ۳۸۔۱۲
[3] وحید اللغات۔ مادہ "مثل"۔۱۲

بعض رفقائے کار نے حسنِ سلوک کے صلہ میں آپ کے ساتھ بدسلوکیاں بھی کیں مگر آپ نے برداشت کیں چنانچہ اسی قبیل کا ایک واقعہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص کو میں نے اپنا مددگار بنا کر سارا کام اس کو سونپ دیا اپنے برابر اس کو عزت دلائی، اس نے میری ہی نکالنے کی فکر کی۔ کئی شخصوں کو میں نے ان کی منت وزاری پر روپیہ قرض دیا اخیر میں کھا کر بیٹھ گئے اور مجھ کو پھنسا دیا۔"[۵۱]

اس کے باوجود جب تک ملازم رہے آپ کے طرزِ عمل اور رواداری میں کبھی فرق نہ آیا۔

نیک نیتی اور حسنِ ظن

مولانا خود چونکہ پاکباز، حق گو اور ایماندار انسان تھے، سچ بولتے اور سچ بات کو پسند کرتے تھے، وعدہ کرتے تو نبھاتے تھے، خود راستباز اور امانت دار تھے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور دھوکہ کھاتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مجھ کو اس طویل عمر میں اس حدیث احتجزوا من الناس بسوء الظن (لوگوں کے شر سے بدگمانی کرکے بچا کرو) پر عمل نہ کرنے سے بڑی بڑی مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں ہر مسلمان کو اپنی طرح سچا اور امانت دار سمجھ کے اس کی بات پر بھروسا کر لیتا پھر وہ مجھ کو دغا دیتا اب بڑھاپے میں بعد خرابی بصرہ تجربہ ہوتے ہوتے ذرا ہوشیار ہو گیا ہوں لیکن اب بھی جبلی عادت کی وجہ سے دھوکے کھاتا ہوں اور لوگوں کے فریب میں آجاتا ہوں۔"[۵۲]

والدین سے محبت

محبت اور الفت کا مادہ مولانا وحید الزماں میں معمولی آدمیوں سے بہت زیادہ تھا، یہی وجہ ہے کہ موصوف کو والدین سے غایت درجہ محبت تھی وہ ہمیشہ والدین کے کہنے پر چلے، والد ماجد نے طالبعلمی کے زمانہ میں فرمایا کہ شرح الوقایہ جتنی پڑھا کرو اس کا روزانہ ترجمہ کیا کرو، آپ نے بلا ناغہ ایسا ہی کیا، والد بزرگوار نے حیدرآباد بلایا فوراً چلے گئے حالانکہ وہاں دو تین برس تک طبیعت نہیں لگی، شیخ مسیح الزماں فریضۂ حج ادا کرنے گئے آپ بھی ساتھ گئے، والد نے شادی کے لئے کہا آپ نے بے چون وچرا منظور کیا۔ مولوی مسیح الزماںؒ نے حج وزیارت کے مسائل پر رسالہ کی فرمائش کی، تیار کرکے پیش کر دیا۔ والد ماجد نے حیدرآباد کو خیرباد کہا آپ نے بھی حیدرآباد چھوڑ کر حجاز میں قیام کیا اور تازیست والد کا ساتھ نہ چھوڑا، یہ محبت اور اطاعت کی نہایت روشن دلیلیں ہیں۔ والدہ سے جتنی محبت تھی اس کے متعلق خود فرماتے ہیں:۔

"میری والدہ مجھ کو اپنے سب بچوں سے زیادہ چاہتی تھیں اور میں بھی اُن سے ایسی محبت رکھتا تھا

---

۵۱ وحید اللغات۔ مادہ "صَنَعَ" ۱۲

۵۲ ایضاً ۔ مادہ "ظَنَّ" ۱۲

کہ جورو کی کیا حقیقت ہے اگر جورو اُن سے ذرا بھی مخالفت کرتی تو اُسی وقت گھر سے باہر کر دیتا۔[۱]

والدہ ماجدہ کی وفات کا جس طرح تذکرہ لکھا ہے اس کے جملہ جملہ سے والدہ سے دلبستگی اور محبت کا اظہار ہوتا ہے لکھتے ہیں:۔

لکن لم یرتفع عنی جل متاعب ما لحق بی و کل نوائب ما عرض لی ولم یمض الا اشہرا او دون ذلک اذ مرضت والدتی الماجدۃ العفیفۃ فی الداء المذکور بیوم الجمعۃ احدی وعشرین من شہر ربیع الاول فلم تنفعہا دواء ولم تزل عنہا داء وانتقلت من ہذہ الدار الفانیۃ الی دار الاخرۃ حین بقیت نصف اللیل من الیوم المذکور واختار اللہ لہا دار البقاء وغفرہا ولقد شق علی مصابہا وعظم لدی انطلاقہا ولا مخلص بما جری بہ القلم الا الرضاء ولا محیص عما قدر اللہ الا الصبر۔[۲]

ابھی وہ تکالیف اور مصیبتیں جو ہیضہ کی بیماری میں برداشت کی تھیں ابھی کی تلافی نہ ہو سکی تھی اور اس بیماری سے نجات ملے مہینہ بھر بھی نہ گزرا تھا کہ میری نیک بخت والدہ ربیع الاول کے مہینہ میں جمعہ کے دن اسی مرض میں مبتلا ہو گئیں اور کوئی دوا کارگر نہ ہو سکی آخر یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا اور اسی دن جمعہ کو آدھی رات کے قریب اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کو رحلت فرما گئیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آپ کی موت مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ توڑ گئی جس کو ہٹانا قوت برداشت سے باہر ہے، نوشتۂ تقدیر کے آگے بجز تسلیم و رضا اور ہے ہی کیا اور جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیا ہے اس سے بجز صبر کے اور چارہ ہی کیا ہے۔

کُنبے کی محبت

انسان کو محبت سب سے پہلے اپنے والدین سے ہوتی ہے پھر اس کی محبت اپنے کنبے میں ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا وحید الزماںؒ کو ہمیشہ اپنے کنبے کے ساتھ حد سے زیادہ لگاؤ رہا ہے بھائیوں کی موت کا صدمہ وہ تمام عمر نہیں بھولے۔ بھائیوں کا جب انتقال ہوا تو ہوش و حواس جاتے رہے، حیدر آباد میں رہنا دوبھر ہو گیا اور حجاز میں جا کر قیام کیا، جب بھی بھائیوں کی موت کا تذکرہ آتا ان کا داغ تازہ ہو جاتا تھا۔ آپ نے چہل حدیث جو آپ کے چھوٹے بھائی سعید الزماں کی تالیف تھی جب تصحیح کر کے چھپوائی تو اس کے آخر میں ان کے حالات بھی لکھے ہیں جس سے موصوف کی مہر و محبت کا اظہار ہوتا ہے (جو آگے آئے گا) اس کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"فقیر نے اثنائے سفر ہجرت میں اس چہل حدیث کو لکھوا کر حتی المقدور تصحیح کر کے واسطے افادۂ عام کے بمبئی میں چھپوایا تاکہ جتنے محمدی بھائی ہیں اس کے مطالعہ سے محظوظ ہو کر برادران مرحومین اور مجھ گنہگار

---

[۱] وحید اللغات۔ مادہ "طبخ"۔ ۱۲

[۲] اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار، از وحید الزماں مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۸۹ھ ص ۲۔

اور میرے والد ماجد کے حق میں دعائے خیر فرماویں"[1]

حق گوئی وبیباکی

راست گوئی اور بیباکی، یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک راستباز انسان میں پائے جاتے ہیں، یہ اوصاف بھی موصوف کی خصوصیات میں سے تھے، جس بات کو سچ جانتے اس کے کہنے میں کبھی تامل نہیں کرتے تھے، جس بات پر دل سے یقین کر لیا اسی کے موافق کہا اور ویسا ہی کیا، جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کو بلا خوف لومۃ لائم بڑے بڑوں کے منہ پر کہنے سے نہ جھجکتے تھے۔ سر سید کی مذہبی امور میں مداخلت آپ کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی چنانچہ جب بالمشافہ گفتگو کا موقعہ آیا تو آپ نے نہایت بیباکانہ طور پر سر سید سے مداخلت کی وجہ پوچھ ہی لی اور ان کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی مذہب میں مداخلت بے جا ہے مگر اس کے باوجود ان کے کمالات کا ہمیشہ اعتراف کیا اور علیگڈھ کے جلسوں میں شرکت بھی کرتے رہے، فرماتے ہیں:-

"میں کہتا ہوں سر سید پر یہی مثال لَیْسَ ھٰذَا بِعُشِّكِ فَادْرُجِیْ (یہ تیرا جو نجھ (گھونسلہ) نہیں یہاں سے چلدے) صادق آتی ہے، بیشک وہ اردو کے منشی بے بدل اور پالٹیکس میں بڑے ماہر اور کامل تھے لیکن دینی علوم میں اُن کو کافی مادہ نہ تھا نہ دنیوی علوم اور فنون یعنی فلسفہ قدیمہ اور جدیدہ میں، ایک بار میں نے اُن سے پوچھا آپ نے دینی مسائل جیسے حشر و نشر، وجود ملائکہ اور جن اور شیطان، معجزات وغیرہ میں کیوں بحث کی، آپ تو صرف مسلمانوں کی دنیاوی بہبودی کے خواہاں اور جویاں ہیں تو آپ کو دینی عقائد میں خلل ڈالنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی۔ جواب میں فرمانے لگے میں نے ان عقائد میں اس لئے گفتگو کی کہ اس زمانہ کے تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان فلسفہ جدید حاصل کرنے کے بعد قرآن و حدیث سے بے اعتقاد ہو جاتے ہیں۔ میں نے قرآن کو جہاں تک ہو سکا فلسفۂ جدیدہ سے مطابق کر دینا چاہا تاکہ ان نئے مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایمان قرآن پر قائم رہے۔ میں نے عرض کیا حقیقت میں یہ بڑا کام ہے، بے ادبی معاف ہو حضور نے مشرقی تعلیم کہاں پائی ہے اور مغربی تعلیم کا پاس کس کالج یا یونیورسٹی سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ یہ اہم کام اسی سے ہو سکتا ہے جو فلسفہ قدیم اور جدید اور سارے دینی علوم میں کافی مہارت رکھتا ہو، جیسے وہ ایک مغربی علوم کا ڈاکٹر اور پروفیسر ہو ویسے ہی مشرقی علوم کا بھی پورا عالم اور فاضل ہو، اس پر سر سید صاحب ذرا ترش رُو ہوئے۔ میں نے بحث موقوف کرنا مناسب سمجھا اور خاموشی اختیار کی"[2]

---

[1] "چہل حدیث" مطبع حیدری بمبئی - ۲۔

[2] وحید اللغات - مادہ "د ر ج" ۱۲

اولاد کی تربیت

مولانا نے اپنی اولاد کو دین سے بے بہرہ نہیں رکھا مگر زمانے کے تقاضے کو بھی فراموش نہیں کیا، ضروری دینی تعلیم دلوا کر انگریزی کی تعلیم کے واسطے اسکول میں داخل کرایا اور نگرانی خود کی چنانچہ جہاں تعلیم سے عقائد پر برا اثر پڑتا دیکھا تو اس اسکول ہی سے بچہ کو اٹھا لیا، اسی سلسلہ کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں :۔

"اس حدیث (لاتعلموا ابکار اولادکم کتب النصاریٰ) اپنے چھوٹے بچوں کو عیسائیوں کی کتابیں نہ پڑھایا کرو، سے ہمارے زمانے کے مسلمانوں کو نصیحت لینا چاہئے۔ چھوٹے کم عمر بچوں کو نصاریٰ کے مذہبی مدارس (مشن اسکولس) میں جانے کی یا نصاریٰ کی مذہبی کتابیں دیکھنے کی اجازت دینا زہر قاتل ہے۔ میں نے اپنے ایک بچہ کو جو ابھی کم عمر لیکن مذہبی اعتقادات سیکھ چکا تھا، ایک انگریزی اسکول میں بھیجا، وہاں کے مدرس نے مذکر مؤنث کا سبق اس کو پڑھایا جب گھر میں آیا تو میں نے سُنا وہ اپنا سبق یاد کر رہا تھا، کیا کہہ رہا تھا، گاڈ، خدا، گاڈیِس (گاڈس) خدا کی جورو، میں نے کہا معاذ اللہ توبہ کر کفر کا کلمہ زبان سے نہ نکال، خدا کے نہ کوئی جورو ہے نہ اس کی اولاد ہے ایسے پڑھانے والے مدرس پر لعنت کر"[له]

عزلت نشینی

۱۳۱۶ھ میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تو تمام اوقات یادِ الٰہی، تصنیف و تالیف اور اشاعتِ حدیث میں گزارنے لگے، لوگوں سے اختلاط بہت کم کر دیا تھا پھر بھی بعض دنیا دار دوستوں نے دنیوی مشاغل سے وابستہ رکھنا چاہا مگر آپ نے گوارا نہیں کیا اور ۱۳۲۸ھ میں اپنی تمام جائداد اور مال وغیرہ لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم کر کے گوشہ گیری اور خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس خلوت کے کیف و سرور نے عالمِ پیری کو دورِ جوانی کی مسرت خیز لیل و نہار سے بھی زیادہ پرکیف و سرمست بنا دیا تھا اور وہ مزہ بخشا تھا جو کبھی جلوت میں بھی میسر نہ آسکا تھا چنانچہ اس گوشہ گیری کے کیف و سرور نے موصوف کو ایک نئی زندگی بخشی تھی، فرماتے ہیں :۔

"جب سنہ ۱۳۲۸ھ میں نے تقسیم کر کے ترکِ دنیا اختیار کیا گو گوشہ گیری کی تو عادت دس بارہ سال پہلے سے حاصل کر چکا تھا تو کئی اہلِ دنیا میرے پاس آئے اور مجھ کو دنیا دار نوابوں اور رئیسوں سے ملاقات کرنے کی ترغیب دی مگر میں نے ہرگز قبول نہیں کیا مجھ کو اب اس گوشہ گیری اور ترکِ دنیا میں ایسا مزہ آتا ہے کہ ویسا مزہ میں نے دنیا داری کی حالت میں عمر بھر نہیں اٹھایا بلکہ ساری عمر فکروں اور جھگڑوں میں گذری اور راحت اور خوشی گویا اب آخری عمر میں مجھ کو نصیب ہوئی، میں بلا تصنع سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی مجھ کو دینے کیلئے مستعد ہو اور کہے کہ تم پھر دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو تو میں ہرگز قبول نہ کروں گا، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، اللہ تعالیٰ اس حالت پر قلب کو قائم رکھے اور دمِ واپسیں تک اپنی یاد میں مصروف رکھے۔"[۵۲]

له وحید اللغات مادہ "بکر" ۱۲ ۵۲ ایضاً مادہ "عقل"

ہجرت اور وفات

- مدینہ اُس دَور میں
- عربوں کی حالت
- والٹیر اور بنگلور میں قیام
- وقار آباد میں سکونت
- عالمِ پیری میں افطار
- وفات
- اولاد و احفاد

موصوف نے دو تین برس حیدر آباد میں اسی طرح گزارے پھر ہجرت کا ارادہ کر لیا اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ زندگی کے بقیہ ایام مدینہ میں گذارے جائیں گے چنانچہ ۱۳۳۱ھ میں مع اہلیہ حیدر آباد سے ہجرت کے ارادہ سے بمبئی پہنچے یہاں آکر شہنشاہ کونین کے دربار میں حاضری کا شوق تیز تر ہو گیا اور آپ کی عظمت کا خیال بھی دل میں چٹکیاں لینے لگا کہ خبردار دیارِ حبیب میں کوئی حرکت بھی خلافِ ادب نہ ہو جو عادت بھی اچھی نہ ہو یہیں چھوڑ دی جائے۔ عادت ہی ایسی کونسی بری تھی مگر پھر بھی خوشبودار تمباکو کا حُقّہ پینے کی تو تھی ہی۔ یہ عادت خود ہی ڈالی تھی کیونکہ بادی بواسیر کا عارضہ تھا۔ اس دیرینہ عادت کو بھی بمبئی سے یک لخت چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ موصوف کا بیان ہے:۔

"جب میں ۱۳۳۱ھ میں مدینہ طیبہ جانے لگا اس زمانہ میں، میں کھانے کے بعد خوشبودار تمباکو کا حقہ پیا کرتا مگر چلتے وقت میں نے خیال کیا کہ آنحضرتؐ کے مزار مبارک پر اکثر جانا ہو گا اور شاید حقہ کی بُو آپ کو ناگوار ہو اس لئے میں نے بمبئی پہنچتے ہی حقہ پینا یک قلم چھوڑ دیا حالانکہ بیس پچیس سال سے مجھ کو اس کی عادت تھی مگر حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کے رسولِ کریم کی کرامت ملاحظہ فرمایئے کہ مطلقاً مجھ کو ایذا نہ ہوئی اور یہ کمبخت عادت اُس نے بلا تکلف مجھ سے چھڑا دی۔"[1]

مدینہ آکر پہلے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، دمشق اور بیت المقدس وغیرہ کی سیر کی پھر واپس مدینہ آگئے اور رہنے لگے صحت بحمد اللہ اچھی رہی حالانکہ بعض بے اعتدالیاں بھی ہوئیں چنانچہ کئی دن تک صرف کھجوروں ہی پر اکتفا رہا جیسا کہ موصوف کا بیان ہے:۔

ایک امر کا تجربہ تو مجھ کو بھی ہوا ہے، مدینہ طیبہ میں میں نے کئی دنوں تک نری کھجور پر گذر کی اور پیچش وغیرہ کچھ نہیں ہوئی، اگر ہندوستان میں ایک وقت بھی کوئی پیٹ بھر کر کھجور کھائے تو بیمار ہو جاتا ہے۔"[2]

یہاں آئے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسی اثنا میں آپ کی اہلیہ سخت بیمار پڑ گئیں ان کا اصرار ہوا کہ مجھے حیدر آباد چھوڑ آؤ، آپ ان کے شدید تقاضے سے مجبور ہو کر انھیں حیدر آباد چھوڑنے آئے۔ سوء اتفاق سے ادھر جنگِ عظیم شروع ہو گئی، راستے بند ہو گئے اور واپس نہ جا سکے، فرماتے ہیں:

"سنہ ۱۳۳۲ھ[3] میں مع اہلیہ بہ قصد ہجرت مدینہ منورہ گیا اور بیت المقدس اور دمشق وغیرہ

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "شجر"۔ ۱۲

[2] ایضاً مادہ "خل"۔ ۱۲

[3] سن ہجرت کے بارے میں پہلا بیان ہی صحیح ہے کیونکہ وحید اللغات (مادہ لاَیَ) میں لکھتے ہیں:۔

"الحمد للہ یہ حدیث جب میں لکھ رہا ہوں اس وقت مدینہ منورہ میں ہوں (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

مقاماتِ متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوا، اس کے بعد مدینہ منورہ کو مراجعت کی اور قصد یہ تھا کہ بقیہ ایامِ حیات وہیں بسر کرے لیکن چند ماہ کی اقامت کے بعد اہل خانہ کی علالت اور ان کے اصرار کی وجہ سے ان کو پہنچانے کے لئے حیدر آباد آیا متصل ہی جنگِ عظیم یورپ شروع ہوگئی، رستے بند ہوگئے، آخر بانتظار اختتامِ جنگ وکشادگی وامن طریق تخمیناً کم وبیش چار سال تک والٹیر اور بنگلور میں مقیم رہا۔"[1]

مولانا نے سارے عیش وآرام کو چھوڑ کر لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اسی اخلاص کی برکت تھی کہ وہاں جی خوب لگ گیا تھا، گھر بار اور اہل وعیال سے ذرا بھی دل کو لگاؤ نہ رہا تھا اور نہ کبھی ان چیزوں کا خیال ہی دل کو ستاتا تھا جیسا کہ لکھتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ نے میرا دل ایسا بنا دیا ہے کہ جب میں وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا گیا اور میری نیت پھر ہندوستان آنے کی نہ تھی تو وہاں مجھ کو اولاد کا خیال آتا تھا نہ عزیز واقربا کا، نہ دوستوں کا نہ محلات اور باغات اور اسباب زینت اور سامان اور فرش وفروش کا، بس حرم شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز گنبد دیکھتے رہنا اور قبۂ اہلِ بیت میں جاکر پڑے رہنا سلطنت ہفت اقلیم سے بہتر معلوم ہوتا تھا جیسے بعض ناقدروں کا خیال ہے کہ مدینہ طیبہ میں جی نہیں لگتا، میرا حال اس کے برعکس تھا۔ مجھ کو مدینہ طیبہ میں کمال راحت اور خوشی تھی اور خاک پاک بقیع متبرک ہوجانے کی آرزو ہر وقت رہتی تھی۔"[2]

مدینہ اُس دور میں

حالانکہ ان ایام میں مدینہ کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی، فرماتے ہیں :-

"حقیقت میں آنحضرتؐ کا فرمانا نہایت صحیح اور درست ہے اب کے ہندوستان سے نکلا تو قصد یہ تھا کہ اب بقیہ ایام حیات مدینہ طیبہ ہی میں گذاروں گا مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ مدینہ میں اقامت کرنا بہت مشکل ہے خصوصاً ہم لوگوں کو جن کی ساری عمر راحت اور آرام اور امن اور آسائش میں گذری ہے مدینہ کی گرمی اور سردی دونوں سخت ہیں اور گرد ایسی اُڑتی ہے کہ خدا کی پناہ، گو مدینہ کی گرد جذام کی شفا ہے مگر ہم لوگوں سے یہ گرد سہی نہیں جاتی، اس کے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

(تاریخ ۲۹ شوال ۱۳۳۱ھ روز سہ شنبہ بمقام دار السرور) اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مدینہ کی اقامت مجھ پر آسان کردے۔"

مولانا کے اس بیان سے ۱۳۳۱ھ والے مبہم بیان کی تفصیل بھی ہوجاتی ہے اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جہاں ۱۳۳۲ھ لکھا ہے وہاں کسور کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] تذکرۃ الوحید ص ۴۔ [2] وحید اللغات مادہ "شدّ" ۱۲

علاوہ مشکلات یہ ہیں کہ امن و امان مفقود ہے، کوئی شخص ہوا خوری کے لئے بغیر از بدرقہ (رہبر) شہر کے باہر جنگل میں نہیں جاسکتا۔ پوسٹ کا انتظام بالکل ناقص ہے، کاغذ حوالہ (منی آرڈر) اب تک سرکاری طور سے جاری نہیں ہے، نہ قیمت طلب پارسل آسکتی ہے، خرچہ پہنچنے میں اس قدر تاخیر اور تعویق ہوتی ہے جس کا کچھ ٹھکانہ نہیں وہ بھی پرائیویٹ ذریعوں یعنی تاجروں اور ساہوکاروں کے توسط سے، دوائیں برابر نہیں ملتیں، سڑکوں اور صفائی کا کوئی انتظام نہیں ہے، گھروں میں زمین دوز سنڈاس بنے ہوئے ہیں جن کے تعفن سے سخت تکلیف ہوتی ہے، رستے نہایت تنگ، دوطرفہ عالی شان مکانات، تازی ہوا کا گذر دشوار، اس پر بھی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان مشکلات کو آسان کردے اور مدینہ طیبہ کی اقامت پر صبر اور استقامت بخشے اور بقیع پاک میرا مدفن کرے،

وما ذٰلك على الله بعزیز[1]"

ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

"سبحان اللہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ کیسا پاک وصاف اور خوش ہوا ہوگا۔ اب تو یہ حال ہے کہ عین آبادی شہر میں ہزاروں سنڈاس ہیں جہاں برسوں تک فضلہ سڑتا رہتا ہے اور اس کی بدبو تمام گلی کوچوں میں حتی کہ بعض اوقات حرم محترم (مسجد نبوی) کے اندر محسوس ہوتی ہے اور لطف یہ ہے کہ ہر مکان میں سنڈاس کے متصل ایک کنواں بھی کھدا رہتا ہے جو سنڈاس سے کسی قدر گہرا ہوتا ہے اور سنڈاس کی بچر بعض اوقات اس میں آتی ہے اسی وجہ سے کنوؤں کا پانی کھارا اور متعفن، کوئی اس کو نہیں پیتا، اگر عین الزرقاء (چشمہ) کا پانی مدینہ میں نہ آتا تو شاید ایک آدمی بھی یہاں زندگی بسر نہ کرسکتا اور اب بھی یہ حال ہے کہ ان سنڈاسوں کی سردی سطح زمین تک سرایت کرتی ہے، اس کے علاوہ سڑکیں تنگ اور دوطرفہ عالی شان مکانات، تازی ہوا کا گذر بہت مشکل سے ہوتا ہے مگر سبحان اللہ آنحضرتؐ کے قدموں کی برکت ایسی ہے کہ مدینہ طیبہ عام بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ آپ کا ایک کھلا معجزہ ہے جو بعد وفات بھی وارد ین مدینہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ حفظان صحت کے قواعد کی رو سے جب نجاست کی سردی اور عفونت پانی میں اثر کرے تو انواع واقسام کی بیماریاں جیسے کھانسی بخار وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ جو فضلہ میدان یا جنگل میں جابجا پھیلا جائے وہ اس قدر مضر صحت نہیں ہے کیونکہ وہ آفتاب کی حرارت اور ہوا سے جلد خشک ہوجاتا ہے لیکن جو فضلہ ایک مرطوب اور سایہ دار مقام میں جمع ہوتا ہے اس میں سے ایک زہریلا مادہ نکلتا ہے جو اخلاط کو فاسد کرتا ہے اور بخار اور کھانسی وغیرہ

[1] وحید اللغات۔ مادہ "ھجر"۔۱۲

امراض گوناگوں پیدا کرتا ہے، مگر یہ سارے قواعد مدینہ طیبہ کو دیکھنے کے بعد رد ہو گئے اور جہاں تک میں نے غور کیا آنحضرتؐ کے قدموں کی برکت کے سوا اور دوسرا کوئی سبب بچاؤ کا معلوم نہیں ہوا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کسی شہر میں سوائے مکہ اور مدینہ کے صفائی کا یہ حال ہو تو شاید ایک باشندہ بھی صحیح نہ رہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ اگر حکومت کی طرف سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے تو نہایت عمدہ امر ہوگا۔ اگر مجھ کو حکومت ہوتی تو میں مسجد نبوی کے گرداگرد تمام سنڈاس بند کرا کر اور مکانات کھدوا کر عمدہ عمدہ بہاردار چمنیں لگواتا اور اُن میں خوشبودار پھولوں کے درخت نصب کرتا تاکہ ہمارے آقا کی روحِ مبارک جن کو خوشبو بہت پسند تھی نہایت خوش ہوتے، صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً[۵۱]"

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں:-

"مجھ سے عبدالعزیز جاویش[۵۲] جو ایک فاضل متبحر ہیں، مدینہ طیبہ میں کہنے لگے کہ یہاں کی نہ آب و ہوا درست ہے نہ اور کوئی دل چسپی ہے اگر آنحضرتؐ کا مزار شریف یہاں نہ ہوتا تو کوئی مدینہ کا رخ بھی نہ کرتا۔ حقیقت میں جو لوگ عیش و عشرت اور امیوزمینٹس (Amusements) کے شائق ہیں اُن سے مدینہ میں رہنا بالکل نہیں ہو سکتا۔ مدینہ طیبہ میں وہی شخص ٹھہر سکتا ہے جو دنیا کی اکثر لذتوں کو جواب دے کر صرف آخرت کی بہبودی اور بقیع مبارک میں دفن ہونے کی آرزو رکھتا ہو، اس لئے مدینہ بیشک بھٹی کی طرح ہے جو خراب آدمیوں کو اپنے میں رہنے نہیں دیتا۔ میں بھی ایک خراب گنہگار و روسیاہ شخص تھا، مجھ کو بھی مدینہ منورہ سے نکال کر پھر ہندوستان میں پھینک دیا، مگر آنحضرتؐ کی شفقت اور مہربانی سے یہ امید ہے کہ شاید مجھ کو پھر اپنے قدموں کے پاس جگہ دیں اور میری بدکاری اور گنہگاری سے چشم پوشی فرمائیں[۵۳]"

پھر لکھتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنا بہت مشکل ہے، وہاں کی گرمی بھی بے حد اور سردی بھی ایسی سخت کہ ہڈیوں تک اس کا اثر پہنچتا ہے۔ اس کے سوا (علاوہ) دنیاوی دلچسپیوں میں سے کوئی دلچسپی وہاں نہیں ہے۔ وہاں رہنا اور وہاں کی تکلیف پر صبر کئے رہنا بڑے جواں مردوں کا کام ہے۔ میں جب

---

۵۱ وحید اللغات۔ مادہ "منح"، لفظ "مَنَاصِع"۔ ۱۲

۵۲ موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: رسالہ المنار۔ ج ۲۹۔ شمارہ ۱۲/۷ بابت شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق فروری ۱۹۲۹ء نیز یادِ رفتگان از سید سلیمان ندوی۔ مکتبۃ الشرق کراچی ۱۹۵۵ء

۵۳ وحید اللغات۔ مادہ "نصع"۔ ۱۲

دوسری بار مدینہ گیا اور نیت اقامت کی کرلی تو گرمیوں کا موسم تھا، ایسی سخت گرمی ہوئی کہ مجھ سے صبر نہ ہوسکا اور میں دمشق کو چلا گیا۔ گرمی کا موسم گذارا پھر جب لوٹ کر مدینہ منورہ آیا تو سردی کا موسم شروع ہوا۔ سردی بھی ایسی سخت پڑی کہ آٹھویں روز کا نہانا بھی دشوار ہوگیا۔ سب دروازے بند کرکے ایک کمرے میں بیٹھ کر توال (تولیہ) گرم پانی میں بھگو بھگو کر بدن پونچھ لیا، بس اسی کو غسل سمجھ لیجئے، رستے تنگ اور خس وخاشاک سے پُر، صفائی نام کو نہیں، تازی ہوا کا گذر مشکل، شام کو ہوا خوری کے لئے بستی سے باہر جاتا، خوفناک بدویوں کی لوٹ مار کا ڈر، باوجود ان سب باتوں کے حرم شریف کے اندر جب جاتا اور سبز گنبد شریف پر نظر ڈالتا تو ساری تکلیفیں کافور ہوجاتیں اور آنحضرت صلعم کے شرف قدم بوسی کی نعمتِ عظمیٰ سے وہ خوشی دل پر آتی جس کی کوئی حد نہیں، اب پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ مجھ کو آخری وقت پر مدینہ منورہ پہنچا دے اور میری موت وہیں ہو، بقیع پاک کی خاک ہوجاؤں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو علی کل شئ قدیر[۱]"

ایک موقعہ پر یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مدینہ طیبہ کی سردی اور گرمی دونوں سخت ہیں اور شام کا ملک ہرچند سرد ہے اور وہاں بعض مقامات میں برف گرتی ہے لیکن شام کی سردی مدینہ طیبہ کی سردی کے مقابل کچھ نہیں ہے، مدینہ طیبہ کی سردی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہڈیوں میں گھسی جاتی ہے جب تک مدینہ طیبہ میں رہا جمعہ کا غسل بڑی مشکل سے کُل دروازے اور دریچہ بند کرکے کرتا رہا[۲]"

ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"صرف سچی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے طرق (راستوں) اور شوارع (سڑکوں) اور سنڈاسوں کو دیکھ کر بعض اوقات میرا دل پریشان ہوتا تھا کیونکہ صفائی کا اہتمام وہاں بالکل نہیں ہے مگر دل کی صفائی کے مقابل صفائی ظاہری کوئی چیز نہ تھی میں مجبوری سے اہل خانہ کی علالت کی وجہ سے ان کے اصرار سے ان کو ہندوستان پہنچا کر فوراً مدینہ طیبہ کو مراجعت کروں مگر ارادۃ اللہ غالب علی ارادۃ الناس میرے یہاں آتے ہی وہ عظیم الشان جنگِ یورپ شروع ہوگئی جس کی نظیر اگلے زمانوں میں کتب تواریخ میں بھی نہیں ملتی۔ لاکھوں آدمی طرفین کے مارے جارہے ہیں ایک طرف جرمن اور ترکی اور آسٹریا ہیں اور دوسری طرف روس، فرانس و انگلستان

---

[۱] ۵۱ وحید اللغات۔ مادہ "شفع" ۱۲

[۲] ۵۲ ایضاً مادہ "قر" ۱۲

اٹلی۔ ڈیڑھ برس سے زیادہ عرصہ گذرا کہ جنگ پیہم جاری ہے اور خلق خدا ماری جارہی ہے، راستے بند، رسل و رسائل موقوف، اگر میں ان دنوں میں مدینہ طیبہ میں ہوتا تو خطوط اور خرچ نہ پہنچنے سے معلوم نہیں میرا کیا حال ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اسی میں مصلحت تھی، قربان اس کی حکمت اور قدرت کے[1]۔"

عربوں کی حالت

ان ایام میں عربوں کی تہذیبی، ثقافتی، ادبی، علمی، اخلاقی اور مذہبی حالت بھی نہایت زبوں تھی جس کا اندازہ ناظرین کو مولانا وحید الزماں کے حسب ذیل بیانات سے ہوگا۔ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے زمانے میں عربوں کو علم کا شوق اس قدر کم ہو گیا کہ جب ۱۳۲۲ھ میں میں مدینہ منورہ گیا تھا تو وہاں خاص مدینہ کا کوئی جیّد عالم نہ تھا جو کچھ علماء وہاں تھے وہ سب دوسرے ملکوں کے اور اسی لحاظ سے مدینہ منورہ میں ایک مدرسہ کلیہ (یونیورسٹی) قائم کرنے کی تجویز ہوئی۔ میں نے اپنی خدمات بلا معاوضہ اس یونیورسٹی کو نذر کیں مگر جنگِ عظیم یورپ نے کل نقشے درہم برہم کر دیئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم کرکے اس جنگ کو جلد ختم کرائے بحق محمد و عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوۃ والسلام الی یوم القیام[2]۔"

"میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ بعضی عورتیں حضور کے مزار پر آکر اس کو سجدہ کرتی ہیں اور مدینہ کے عالم اور مولوی اس امر حرام سے منع نہیں کرتے بلکہ خاموش رہ جاتے ہیں، ہائے دینِ اسلام کی غربت پر رونا آتا ہے[3]۔"

"ہمارے زمانے میں یہ بہادر عرب اور جہاں پرور قوم لاوارث اور بے علم ہو گئی ہے (تنبیہ) عرب لوگوں کی جہالت اس درجہ پہنچ گئی کہ ایک بدوی نے ایک کلاک (گھڑی، گھنٹہ) کو دیکھ کر کہا یہ خود بخود کیسے چلتی ہے۔ ایک صاحب بولے یہ انگریزوں کی بنائی ہوئی ہے۔ تب وہ بدوی کہنے لگا سبحان الانکلیز، اس پر سب حاضرین ہنس پڑے[4]۔"

"مکاڈو شاہ جاپان نے پچاس سال کے عرصہ میں اپنے ملک کو یورپین پاورس (POWERS.) کے ہمسر کر دیا اور روس ایسی قوی اور زور آور سلطنت پر فتح پائی، یہ خبر سن کر ایک عرب صاحب نے یوں دعا کی، اللھم اجعل لنا ملکا مثل مکاڈو، مجھ کو ہنسی آگئی[5]۔"

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "مثل"۱۲

[2] ایضاً ۔ مادہ "عجم"۱۲

[3] ایضاً ۔ مادہ "سرج"۱۲

[4] ایضاً ۔ مادہ "سطم"۱۲ [5] ایضاً مادہ "سرو"۱۲

"میں اس وقت مدینہ طیبہ میں ہوں حضرت امیر حمزہؓ (کے مزار) کی زیارت کو جا رہا ہوں ایک گاڑی میں سوار ہوں، میرے ہاتھ کی چھڑی گاڑی سے گر پڑی جب تک میں اُس کے لینے کو اُتروں، اُتروں ایک بدوی صاحب چھڑی لے کر ففرو ہوئے، یہ جا وہ جا، میں منہ تکتا رہ گیا۔"[۵۱]

"افسوس ہے عربوں پر، وہ بات بات میں لعن ابوک کہتے ہیں، دوسرا اُن کے جواب میں یہی کہتا ہے۔"[۵۲]

والٹیر اور بنگلور میں قیام

مولانا وحید الزماں جب اپنی اہلیہ کو حیدر آباد چھوڑنے آئے تو ان کی حالت بہتر ہوگئی اور انھوں نے آپ کی مفارقت گوارا نہ کی، مگر آپ چونکہ ہجرت کر چکے تھے، اِس لئے حیدر آباد میں قیام پسند نہ تھا، ادھر راستے بند ہو گئے تھے۔ آپ حیدر آباد سے مدراس کی بندرگاہ والٹیر تشریف لائے، کچھ عرصہ یہاں رہے پھر بنگلور چلے آئے اور کم وبیش چار سال یہاں قیام کیا اور یہیں "انوار اللغہ" کے چھپوانے کا انتظام کیا۔

وقار آباد میں سکونت

آپ کی دلی تمنا بس یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو جلد از جلد مدینہ پہنچ جائے مگر جنگِ عظیم کی وجہ سے راستے مسدود تھے ادھر بیماریوں نے زندگی سے مایوس کر دیا چنانچہ آخر ۲۳ رجون ۱۹۱۸ء مطابق ۳ ر رمضان ۱۳۳۶ھ سے ۱۴ ر فروری ۱۹۱۹ء مطابق ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ تک وقار آباد ضلع حیدر آباد میں قیام رہا اسی زمانہ میں موصوف نے اپنی زندگی جس کا نام "تذکرۃ الوحید" رکھا تھا نظر ثانی کی اور وقار آباد ہی میں اپنا اور اپنی اہلیہ کا سرداوہ کھدوایا۔ یہاں جو خلوت اور تنہائی ملی وہ بڑی پُرکیف اور مسرت انگیز تھی، موصوف کا بیان ہے کہ اس خلوت کا مزہ کبھی جلوت میں بھی نصیب نہیں ہوا، فرماتے ہیں :۔

"تخمیناً کم وبیش چار سال تک والٹیر اور بنگلور میں مقیم رہا، یہانتک کہ تاریخ ۲۳ رجون ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳ ر رمضان ۱۳۳۶ھ آن پہنچی، اس تاریخ سے تاریخ کتابت رسالۂ ہذا یعنی ۱۴ ر فروری ۱۹۱۹ء مطابق ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ ہجری بمقام وقار آباد ضلع حیدر آباد دکن میں مقیم ہوں، ایک صحرائے لق ودق بے آب وگیاہ میں سب اہل وعیال اور متعلقین سے جدا خلوت میں پڑا رہتا ہوں، جو مزہ مجھ کو اس خلوت اور صحرانشینی میں ملا وہ کبھی آبادی اور سوسائٹی میں نہیں ملا تھا، اب اپنی اور اپنی اہلیہ کی قبور بھی وہیں تیار کرا رہا ہوں گو حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ

---

۵۱ وحید اللغات۔ مادہ "لفظ" ۱۲

۵۲ ایضاً مادہ "سبّ" ۱۲

بعید نہیں کہ پھر آخری وقت میں مدینہ منورہ پہنچا دے اور بقیع مبارک کی خاک پاک نصیب کرے[1]"
مولانا وحید الزماں کو زندگی کے آخری ایام میں دو ہی تمنا اور آرزوئیں تھیں، ایک یہ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اور دوسرے انوار اللغۃ کی تکمیل طباعت کی تھی، جس کا اظہار بار بار کیا ہے۔

عالمِ پیری میں افطار

مولانا وحید الزماں جب ستر برس کی عمر کو پہنچے تو بتقاضائے سن عوارض نے اور بھی نڈھال کر دیا تھا خوراک بھی گھٹ گئی تھی، فرماتے ہیں:۔

"غذا میری دو پیسہ بھر چاول اور ایک پیسہ بھر آٹا ہے اور سادہ شوربا اور کسی قدر دودھ جو آدھ پاؤ سے زیادہ نہیں ہوتا[2]"

ظاہر ہے جس کی خوراک ہی یہ رہ گئی ہو اگر وہ روزے رکھے گا تو جان کا خطرہ ہے چنانچہ موصوف رمضان کے روزے نہیں رکھتے تھے اور فدیہ دیتے تھے لیکن روزوں کے ثواب سے محرومی کا بڑا صدمہ تھا، فرماتے ہیں:۔

"بڑھاپے میں ایک تو قبض دوسرے بواسیر اور قبض ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کی تکلیف کا میں متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے مجبوراً افطار کرتا ہوں اور فدیہ دیتا ہوں لیکن روزے کی فضیلت حاصل نہ ہونے سے سخت ملول رہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہے[3]"

وفات

مولانا وحید الزماں جب اپنی اہلیہ کو مدینہ منورہ سے حیدرآباد چھوڑنے آئے تو جنگ عظیم شروع ہو گئی، راستے بند ہو گئے چار و ناچار یہیں ٹھہرنا پڑا، آپ چونکہ ہجرت کی نیت کر چکے تھے لہذا حیدرآباد میں زیادہ قیام نہیں فرمایا اور بنگلور چلے آئے۔ یہیں لغات الحدیث اور اصلاح الہدایہ چھپوائیں، کچھ عرصہ کے لئے مدراس کی بندرگاہ والٹیر میں بھی رہے پھر وقار آباد میں سکونت اختیار کر لی یہیں وفات سے سال بھر پہلے والد ماجد کو خواب میں دیکھا فرماتے تھے۔

"اب گھڑے میں حیات کا پانی خالی ہو گیا ہے"

جس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ اب موت کا وقت قریب آ گیا ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"۲۵ ربیع الاول شب دوشنبہ ۱۳۳۷ھ میں جس کو دو ماہ کے قریب عرصہ ہوتا ہے میں نے اپنے

---

[1] تذکرۃ الوحید ص ۴۔

[2] وحید اللغات۔ مادہ "کلھ"۱۲

[3] ایضاً مادہ "لھث"۱۲

والد ماجد مولوی مسیح الزماں صاحب مرحوم کو بعد مدت خواب میں دیکھا، آپ نے یہ فقرہ فرمایا
(گھڑے میں حیات کا پانی خالی ہوگیا ہے) اس کی صاف تعبیر یہ ہے کہ اب میری موت قریب آگئی ہے
اللہ تعالیٰ اس موت کو آسان اور میرا خاتمہ بخیر ایمان اور محبت اہل بیت پر کرے آمین یا رب العالمین[1]۔"

وقار آباد سے کبھی کبھی حیدر آباد بھی آتے تھے ایک دفعہ ریل میں حیدر آباد سے وقار آباد آ رہے تھے، کسی ضرورت سے اپنی سیٹ سے اٹھے ضعف کافی تھا، ریل چل رہی تھی جھٹکا لگا اور سامنے ایک ٹرنک پر گر پڑے، جس سے ران کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ کئی مہینے تک صاحبِ فراش رہے علاج کرایا مگر ہڈی نہ جڑ سکی۔

دورانِ علالت ہی میں ۶ر شعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۶ر اپریل ۱۹۲۰ء کو موصوف کے فرزند محمد محسن کا انتقال ہوگیا جس سے سخت صدمہ پہنچا، چنانچہ اسی واقعہ کے انیس[19] دن بعد سنیچر کے روز ۲۵ر شعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ر مئی ۱۹۲۰ء و ۱۰ تیر ۱۳۲۹ فصلی کو نماز مغرب کے بعد اپنے فرزند ڈاکٹر محمد اشرف کی کوٹھی "آصف نگر" میں جاں جان آفریں کے سپرد کی اور دوسرے دن ۲۶ر شعبان ۱۳۳۸ھ کو وقار آباد میں اپنے باغ کے اندر جہاں پہلے سے سرداوہ تیار کرا رکھا تھا سپرد خاک ہوئے[2]۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

قبر کچی ہے اور اس پر کتبہ بھی نہیں ہے۔ برابر ہی آپ کی اہلیہ مدفون ہیں۔

اولاد و احفاد مولانا وحید الزماں نے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں مولوی محمد مراد اللہ بن مولوی محمد اشرف لکھنوی کی دختر نیک اختر سے لکھنؤ میں شادی کی اور سال بھر کے بعد ۲۴ر رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء کو جمعہ کے دن ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام نانا کے نام پر محمد اشرف رکھا یہ لڑکا ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کر گیا اور جنت المعلاۃ میں دفن ہوا۔

۲۰ر رجب ۱۲۹۵ھ میں مکہ معظمہ ہی میں ایک اور لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام بھی آپ نے محمد اشرف (ثانی) رکھا۔ آپ کی اولاد میں ایک یہی ڈاکٹر تھے۔

جب آپ حیدر آباد آگئے تو یہاں بھی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں فرزند ہی پیدا ہوا، اس کا نام آپ نے محمد احسن رکھا۔ ۱۷ر صفر المظفر ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء کو پھر ایک بچہ ہوا جس کا نام آپ نے محمد محسن رکھا، گویا حق تعالےٰ

---

[1] تذکرۃ الوحید۔ ص ۲۸۔

[2] یہ معلومات ہمیں موصوف کے فرزند نواب احسن یار جنگ اور آپ کے نبیرہ کرنل احمد اشرف ابن محمد اشرف سے حاصل ہوئیں۔ ۱۲

کی طرف سے محمد اشرف اول کی وفات پر صبر کے صلہ میں جو نعم البدل عطا ہوئے تو ایک نہیں تین
تین اور وہ بھی یکے بعد دیگرے مسلسل۔

محمد محسن کے بعد متواتر تین لڑکیاں ہوئیں آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں سب کو تعلیم دلوائی۔
محمد اشرف کو ایم۔بی،سی،ایچ۔بی۔کرایا،محمد احسن کو انجنیر بنایا اور محمد محسن کو انٹرنس کرا کر مالیات کا
امتحان دلایا۔چنانچہ غلام صمدانی گوہر مولانا وحید الزماں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ڈاکٹر محمد اشرف، ایم۔بی سی،ایچ۔بی"، مسٹر محمد احسن انجنیر
پاس یافتہ کوپرکل کالج، محمد محسن انٹرنس پاس وکامیاب امتحان مال،ہرایک لائق،قابل متین
مہذب ہیں[۵۱]"

پھر شادیاں کیں لیکن لڑکیوں کے لئے بَر کی تلاش اور اہتمام کی شادی دونوں باتیں موصوف کے لئے
ذرا پریشان کن رہیں۔جب ان کی شادیاں کردیں تو اطمینان نصیب ہوا،جیساکہ خود لکھتے ہیں:۔

"ہنداور دکن میں تو بیٹیاں ہونا بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں عنایت
فرمائی تھیں' ان کے زواج کے لئے جو فکریں اور تکلیفیں میں نے اٹھائیں وہ میرا ہی دل جانتا ہے'
علاوہ روپے پیسوں کی بربادی کے طعن وتشنیع سننا پڑتا ہے،جب ان بیٹیوں کے نکاح سے
فراغت ہوئی مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک پہاڑ میرے سر سے ٹل گیا،الحمد للہ حمداً کثیرا[۵۲]"

آپ نے منجھلی صاحبزادی کی شادی اپنے بھانجے ابو البرکات عبید اللہ[۵۳] سے کی تھی،یہ شادی کے
سال بھر بعد انتقال کر گئیں جس کا بڑا صدمہ ہوا۔

تین فرزند اور دو دختر صاحب اولاد ہوئیں اور موصوف کی حیات تک بخیر وعافیت زندگی بسر
کرتی رہیں جو مولانا وحید الزماں کی فرحت ومسرت کا موجب رہی،چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:۔

"اب بالفعل دو لڑکیاں بقید حیات ہیں اور اللہ کے فضل وکرم سے دونوں صاحب اولاد ہیں،تین
فرزند جن کا ذکر اوپر ہوا وہ بھی بقید حیات ہیں اور تینوں صاحب اولاد ہیں،اللہ ان کی عمر اور دولت
اور صحت میں برکت عطا فرمائے[۵۴]"

---

۵۱ تزک محبوبیہ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء ج ۲ ص ۴۹۶ (دفتر اول ردیف و)

۵۲ وحید اللغات۔مادہ"غوث"۱۲

۵۳ مولوی عبید اللہ مولانا وحید الزماں کی بڑی بہن سعید النساء کے فرزند تھے،آپ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر درس نظامی
کی تکمیل کی اور حج کیا،متعدد کتابیں تصنیف کیں۔آخر زمانہ میں علوم القرآن پر لکھ رہے تھے کئی باب لکھ چکے تھے لیکن انفلونزا کی
شکایت ہوئی اور ۱۴ محرم ۱۳۳۷ھ کو انچاس برس کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے اور حیدرآباد دکن میں اپنے آبائی قبرستان
تکیہ دھوبن شاہ میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

۵۴ تذکرۃ الوحید ص ۹ ۔ ۱۲

محمد محسن عالم شباب ہی میں مولانا کی وفات سے انیس دن قبل بروز دوشنبہ ۶ شعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء و ۲۲ خورداد ۱۳۲۹ فصلی رہ گرائے عالم بقا ہوئے جیسا کہ اوپر گزرا۔
مولانا کی اولاد میں اب نواب احسن الزماں احسن یار جنگ بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ (عفی عنہ)

مولانا بدیع الزماں موصوف کے بڑے بھائی تھے، آپ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر فارسی اور عربی کی تعلیم پائی علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کی، میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی سند لی اور حیدر آباد میں ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا شغل بھی جاری رکھا۔

۱۲۸۶ھ یا ۱۲۸۷ھ میں شادی ہوئی۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد ایک دختر نیک اختر پیدا ہوئی جس کا نام زینب رکھا۔ اور ان کی خوب ہی تربیت کی۔ عربی، فارسی اور انگریزی پڑھائی، خوشنویسی سکھائی، شادی کی مگر زندگی نے وفا نہ کی اور سال بھر بعد پندرہ یوم کی ایک بچی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

۱۲۹۴ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور حجاز میں سکونت اختیار کی نواب صدیق حسن خاں نے حدیث کی کتابوں کے تراجم کے سلسلہ میں پچاس روپے ماہوار مقرر کر دیئے تھے مگر بعض وجوہ سے حجاز میں زیادہ قیام نہ ہو سکا اس لئے پھر حیدر آباد واپس آ گئے تھے۔

آپ نہایت جادو بیان مقرر اور سحر طراز خطیب تھے، تصنیف و تالیف کا بھی خوب سلیقہ تھا، ساٹھ سال کی عمر پا کر ۱۳۱۲ھ میں بمقام حیدر آباد دکن انتقال فرمایا اور تکیۂ جان اللہ شاہ میں اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حسب ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:۔

(۱) سبیکۃ الذہب لابریز۔ یہ فارسی زبان میں مضامین قرآن کی نہایت جامع فہرست ہے جو شائع ہو چکی ہے۔

(۲) جائزۃ الشعوذی بترجمہ جامع الترمذی: بڑی تقطیع کے ۸۶۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حافظ عزیز الدین کے زیر اہتمام ۱۲۹۹ھ میں مطبع مرتضوی دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۳) ارشاد اہل التوحید الی مزایا السنۃ ورزایا التقلید: یہ اصول حدیث میں موصوف کا ایک اردو رسالہ ہے جو جامع ترمذی کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا تھا۔ یہ بھی لاہور سے شائع ہو گیا ہے۔

(۴) الانتہار فی الاستواء کا اردو ترجمہ: متوسط تقطیع کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے محمد یوسف علی کے زیر اہتمام مطبع یوسفی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

(۵) سیف الموحدین: یہ بھی شائع ہو گئی ہے۔

مولوی فریدالزماں اور سعیدالزماں یہ دونوں بھی مولانا وحیدالزماں کے چھوٹے بھائی تھے شیخ مسیح الزماںؒ نے ان کی تعلیم و تربیت بھی خوب کی تھی، بچپن ہی میں قرآن حفظ کرایا پھر فارسی پڑھائی۔ حیدرآباد میں درس نظامی کی تکمیل کی اور پھر وہیں ملازم ہوگئے۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حیدرآباد آگئے۔

مولوی فریدالزماں کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، فارسی میں شعر کہتے تھے اور مولوی سعیدالزماں کو تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ تھا چنانچہ رسالہ چہل حدیث اس کا شاہد ہے اس رسالہ میں ایسی چالیس حدیثیں انتخاب کرکے جمع کی گئی ہیں جو رد شرک و مذمتِ بدعت پر مشتمل ہیں۔

سنہ ۱۲۹۴ھ میں بعارضۂ ہیضہ پہلے مولوی فریدالزماںؒ نے انتقال کیا اور پھر کچھ عرصہ بعد مولوی سعیدالزماں کا بھی انتقال ہوگیا، مولانا وحیدالزماں نے "چہل حدیث" میں ان دونوں کے کچھ حالات لکھے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں:-

"ان دونوں بھائیوں کو ابتدائے طفولیت سے اللہ جل جلالہ نے بڑی سعادت مندی اور نیک بختی عطا فرمائی تھی، جب سے سن بلوغ کو پہنچے کتاب و سنت کے مطالعہ سے نہایت شوق و ذوق تھا دونوں بھائی سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے کبھی جدا نہ ہوتے چنانچہ سنہ ۱۲۹۳ھ میں دونوں بھائی کتب درسیہ ضروریہ اور حفظِ قرآن شریف سے فراغت حاصل کرکے حج و زیارت سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ میں جناب شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشبندی دامت برکاتہم کے مرید ہوئے۔ بعد مراجعت چند روز عبادت اور اطاعتِ الٰہی اور تلاوت قرآن و حدیث میں مشغول رہے، سنتِ نبوی سے بہت شوق اور بدعت سے بڑی نفرت رہی۔ اسی اثناء میں عزم مصمم ہوا کہ ترک روزگار حرمین شریفین کو ہجرت فرماویں۔ چنانچہ سفر کی تیاری میں مشغول تھے کہ اتفاقاً ماہ محرم سنہ ۱۲۹۴ھ کی ۱۷ تاریخ روز جمعہ مولوی حاجی حافظ فریدالدین نے بہ سن ۲۶ بعلالتِ ہیضہ انتقال فرمایا ان کے انتقال کے صدمہ اور مفارقت چند روزہ سے بھائی سعیدالزماں نہایت ملول رہتے تھے، ایک روز خواب میں دیکھا کہ بھائی فریدالزماں آئے اور کہا کہ جلدی ہجرت کرو۔ یہ سن کے بھائی سعیدالزماں اُن کے ساتھ ہوگئے، جب خواب سے اٹھے تو اور بھی عزم ہجرت جلد کیا اور ترک روزگار سب سامان و اسباب ہجرت و سفر تیار کرکے آج کل میں نکلنے والے تھے کہ دفعتہً ۲۰ رمضان روز جمعہ سنۂ مذکور میں بعارضۂ ہیضہ مبتلا ہوکر بہ سن ۲۴ سالہ انتقال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بھائی سعیدالزماں

اس چہل حدیث کو تالیف کرکے اس کی طبع کے نہایت شائق تھے، لیکن عمرِ عزیز نے وفا نہ کی اور بعد مفارقت چند روزہ عالم برزخ میں بھی اپنے بھائی کی معیت اختیار کی۔"[۱]

مولوی فریدالزماںؒ نے اپنی یادگار صرف ایک لڑکا عبدالرشید چھوڑا تھا، افسوس! اس نے بھی عنفوانِ شباب ہی میں انتقال کیا —— مولانا وحیدالزماںؒ لکھتے ہیں:-

"ایک جاہل کندۂ ناتراش حکیم بن کر ملک الموت کی خدمت ادا کرتا ہے، میرے نوجوان خوبرو بھتیجے عبدالرشید جو برادر عزیز مولوی حاجی حافظ فریدالزماں مرحوم کا فرزند تھا ایسے ہی ایک جاہل حکیم نے دوا کھلا کر مار ڈالا اس کو کوئی سزا بھی نہیں ہوئی۔"[۲]

۱؎ "چہل حدیث" مطبع حیدری بمبئی ص ۱ - ۱۲

۲؎ وحیداللغات - مادہ طبٌّ - ۱۲
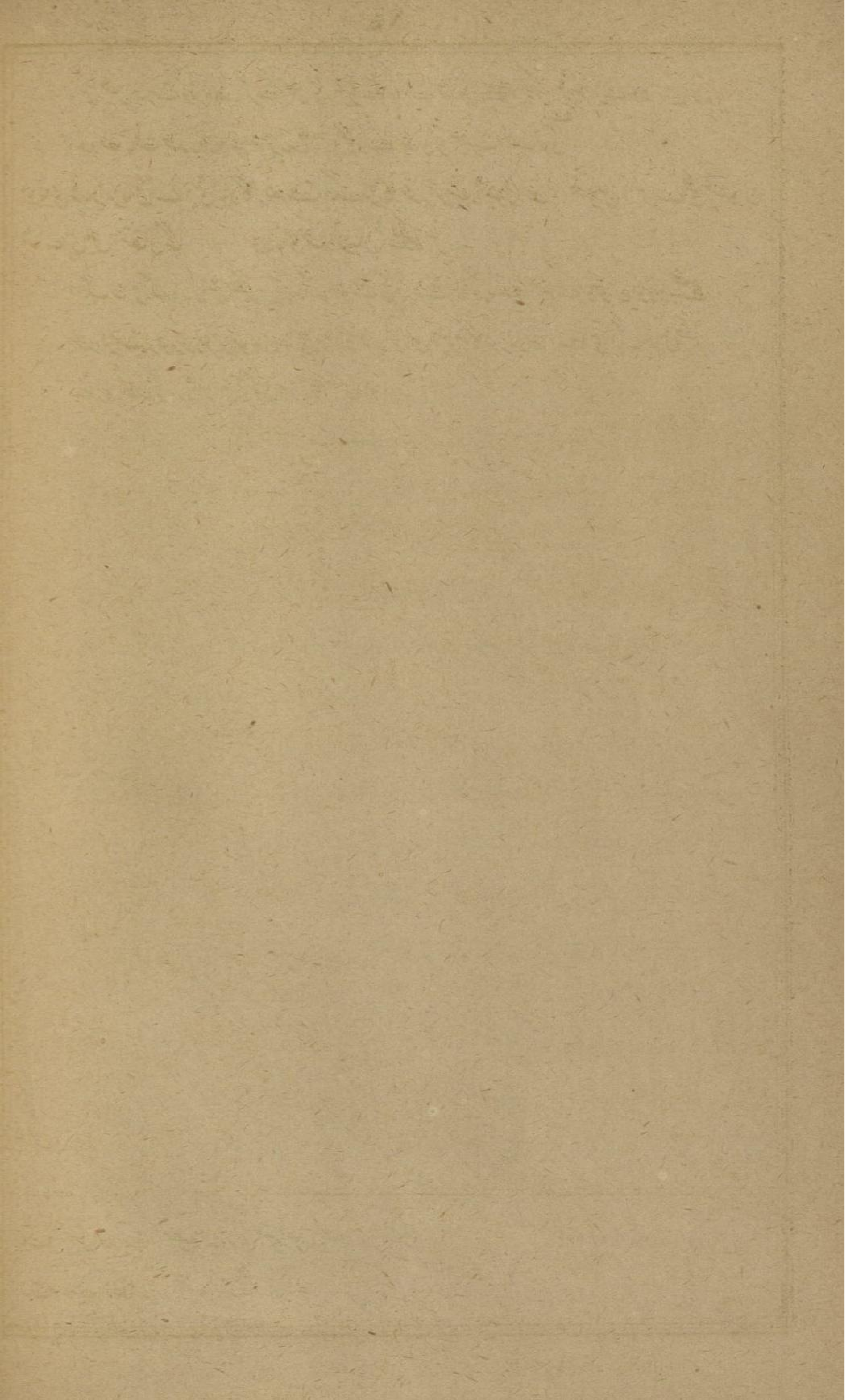
باب ششم
قومی خدمات

- درس وتدریس
- تجدیدِ نصاب کے لئے سرگرمیاں
- مذہبی اور قومی کام
- قومی اور ملّی تحریکات میں شرکت
- انجمن اخوان الصفا میں شمولیت
- وعظ و نصیحت
- بحث و مناظرہ
- سوال وجواب اور ردوکد سے احتراز
- مدینہ منورہ میں یونیورسٹی کے قیام کی تجویز
- دین کی بے لوث خدمت
- مولانا کا مسلک

درس وتدریس

مولانا وحید الزماںؒ نے حیدرآباد میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد بھی علمی مشغلہ برقرار رکھا، دفتر کے اوقات کے علاوہ جو وقت بھی ملتا وہ کتب بینی اور مطالعہ کی نذر ہو جاتا تھا جو احباب کچھ پڑھنا چاہتے وہ انھیں اوقات میں آکر پڑھتے تھے، ان میں سے بعض تو وہ تھے جنھوں نے تمام درسی کتابیں موصوف سے پڑھیں ان میں مہدی حسین کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان کا نام موصوف کی عربی تالیف "الحاشیۃ الوحیدیہ" (جو میر زاہد امور عامہ پر حواشی اور تعلیقات ہیں) میں بھی مذکور ہے جن لوگوں نے موصوف سے متفرق طور پر کچھ کتابیں پڑھیں ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عبد الحفیظ حیدرآبادی[۱]۔

(۲) حافظ لطف اللہ[۲]

(۳) میر افضل حسین[۳]۔

(۴) مرزا محمد حسن لکھنوی[۴]۔

(۵) مولوی انوار اللہ خان بہادر المخاطب بہ فضیلت جنگ بہادر[۵]۔

---

[۱] موصوف حیدرآباد میں رہتے تھے اور تیھرگٹی پر قیام تھا۔ ۱۲

[۲] آپ ریاست حیدرآباد دکن میں درجۂ اول کے وکیل تھے پھر صدر عدالت پائیگاہ کے ناظم ہو گئے تھے، اسی عہدہ پر فائز تھے کہ ۱۳۳۶ھ میں پیغام اجل آیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی، عفی اللہ عنہ

[۳] موصوف بھی حیدرآباد دکن میں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز تھے فقہ کی کتابیں مولانا وحید الزماں سے پڑھی تھیں موصوف کا انتقال مولانا کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، غفر اللہ لہ

[۴] آپ نے صرف ونحو ومنطق وغیرہ کی تمام کتابیں مولانا سے پڑھی تھیں اور مولانا کی سی سالہ زندگی پر ایک رسالہ بھی مرتب کیا تھا جس کا نام "لائف سی سالہ" تھا جو اسی زمانہ میں مطبع متین کرتان حیدرآباد دکن سے شائع ہو گیا تھا، اب نایاب ہے۔ موصوف اپنے استاد کی حیات تک بقید حیات تھے۔ ۱۲

[۵] موصوف نے ہدایہ کے کچھ آخری ابواب مولانا سے پڑھے تھے۔ ویسے مولوی انوار اللہ اور مولانا وحید الزماں ہم درس بھی تھے، مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے حلقۂ درس میں دونوں نے فقہ کی کتابیں ساتھ ہی پڑھی تھیں۔ مولانا وحید الزماںؒ کی حیات میں موصوف کا انتقال ہو گیا تھا، جیسا کہ مولانا وحید الزماں "تذکرۃ الوحید" ص ۱۶ میں لکھتے ہیں:۔

"مولوی انوار اللہ خان بہادر مرحوم المخاطب بہ فضیلت جنگ بہادر، انھوں نے ہدایہ کے کچھ آخری ابواب کی عبارات میرے روبرو پڑھیں میں اور بہادر موصوف دونوں ایک مدت دراز تک مولوی عبد الحی صاحب مرحوم فرنگی محلی کے حلقۂ درس میں بھی شریک رہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے خواجہ تاش بھی تھے غفر اللہ لنا ولہ"

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

"دکن میں اردو" مولفہ نصیر الدین ہاشمی، مطبوعہ آرٹ پریس لاہور ۱۹۵۲ء ص ۶۰۵۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ملازمت سرکاری اور تصنیف وتالیف کی وجہ سے درس وتدریس کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا جیسا کہ فرماتے ہیں :-

"فقیر کو درس وتدریس کا شغل بوجہ ملازمت سرکاری اور تصنیف وتالیف کتب بہت کم رہا۔ مولوی مہدی حسین نے تمام کتب درسیہ کی تحصیل مجھ سے کی، چنانچہ "حاشیہ" (حاشیہ میرزاہد امور عامہ) کے خطبہ میں ان کا نام مذکور ہے۔"[۵۱]

تجدید نصاب کے لئے سرگرمیاں

مولانا وحید الزماں کو تدریس کے دوران میں عربی نصاب تعلیم کی بعض خامیوں کا شدت سے احساس ہو چکا تھا چنانچہ ایک موقعہ پر اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

"افسوس ہمارے زمانے کے مولویوں پر انھوں نے جو کام کے علوم تھے اُن کو یا تو بالکل چھوڑ دیا، یا کچھ ذرا سا برائے نام پڑھا دیتے ہیں۔ لغت عرب اور علم ادب میں تو ذرا رغبت نہیں کرتے اور بیکار علوم جیسے منطق اور فلسفۂ قدیم ہے ان میں برسوں اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ میں نے اکثر ان طالبعلموں کو دیکھا ہے جو شرح مطالع اور شروح سلم اور افق المبین حاشیہ قدیمہ اور جدیدہ اور راجدًا ور زواہد ثلثہ تک پڑھے ہوئے تھے اور صدرہ اور شمس بازغہ بھی چاٹ گئے تھے لیکن عربی کی ایک سطر، عبارت یا مختصر خط با محاورہ عربی میں لکھنے سے عاجز تھے۔"[۵۲]

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں جب آپ حجاز سے واپس حیدر آباد آئے تو آپ نے تجدید نصاب کے لئے جو وقت کا نہایت اہم تقاضا تھا ہندوستان کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا اور اس موضوع پر مختلف مکتبۂ فکر کے علماء سے گفتگو کی اور عمائدین قوم سے تبادلۂ خیال ہوا، بعض نے اتفاق کیا اور بعض نے اختلاف، آخر فرنگی محل کے علماء سے اس موضوع پر بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی تجدید نصاب پر آمادہ بھی ہو گئے لیکن دوسرے علماء اس پر متفق نہ ہوئے اور موصوف کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

"مردم چشم دیدہ" از ترک علی شاہ ترکی، مطبع شمس الاسلام حیدر آباد دکن۔ ص ۱۰۔

"مشاہیر قندھار دکن" از محمد اکبر الدین صدیقی شمس المطابع حیدر آباد دکن ص ۹۳ تا ۱۰۲۔

"مطلع الانوار فی سوانح مولانا محمد انوار اللہ انوار" از مفتی محمد رکن الدین مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدر آباد دکن ۱۳۵۳ھ

"تزک محبوبیہ" مصنفہ غلام صمدانی خاں گوہر، طبع حیدر آباد دکن ۱۳۱۳ھ ج ۲ ص ۶۷ (دفتر اول۔ ردیف الف)۔

(حاشیہ صفحۂ ہٰذا)

[۵۱] تذکرۃ الوحید۔ ص ۱۵-۱۲

[۵۲] وحید اللغات۔ مادہ "لحن"۔ ۱۲

نہ ہوسکا، چنانچہ مرزا محمد حسن لکھنوی کا بیان ہے :۔

"آپ نے ۱۲۹۷ھ میں جب عمر شریف ۲۹ سال کے پہنچی حیدرآباد سے قصد سفر کیا اور تمام اقطاع ہندوستان کا دورہ کیا اور زیادہ تر ممالک مغربی اور شمالی خصوصاً ملک اودھ میں اقامت کی اور ان دنوں خیال پر عمل کرنے کے لئے ہر ہر شہر کے عمائد کو ترغیب دی چنانچہ جب آپ شہر لکھنؤ میں جو ایک زمانے میں دارالعلم والعمل تھا پہنچے تو علمائے فرنگی محل سے ملاقات کی اور ان سے اس بات پر گفتگو کی کہ جو تعلیم آپ کے یہاں مروج ہے کیا وہ زمانۂ حال کے لئے مناسب اور کافی ہے۔ بعد مناظرہ اور مکالمۂ بسیار کے اُن سب علماء کو بند کیا اور ثابت کردیا کہ طریقۂ تعلیم کی تبدیل ضرور ہے پھر آپ نے فرمایا کہ جب طریقۂ تعلیم کی تبدیل آپ کے نزدیک ضرور ٹھہری تو مناسب ہے کہ جیسے طریقہ سابقہ کی ابتدا علمائے فرنگی محل سے ہوئی جس پر اب تک عمل درآمد جاری ہے اور انہی علماء کی وجہ سے وہ طریقہ ہندوستان کے تمام قطعات بلکہ افغانستان میں پھیل گیا ہے اسی طرح طریقۂ جدیدہ کی بھی ابتدا یہیں سے ہو، تاکہ لکھنؤ کے علماء کا تذکرہ صفحاتِ تواریخ پر قائم رہے اور ان کی سچی خیرخواہی ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں پر ہمیشہ کے لئے منقوش ہوجائے۔ مگر باوجود معلوم ہوجانے حق کے ان علماء کی ہمت تبدیلِ طریقۂ تعلیم پر نہیں آئی، اگرچہ بعضے سمجھدار اور صاحب فہم مولوی جیسے مولوی محمد عبدالحی صاحب فرزند مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب تبدیل طریقۂ تعلیم پر راضی ہوگئے لیکن اور مولویوں نے جو پرانے فیشن کے تھے اور اگلے طریقوں اور رسموں کو بدلنا معاذاللہ دین اور شریعت کا بدلنا سمجھتے تھے انھوں نے نہ مانا آخر نااتفاقی اور اختلاف کی وجہ سے اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم رہے"[۵۲]

یہی وجہ ہے کہ جب مولانا شبلی نعمانیؒ نے تجدید نصاب کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی تو آپ نے نواب وقارالامراء سے کہہ کر سَو روپیہ ماہانہ کی امداد جاری کرائی، جیسا کہ لکھتے ہیں :۔

"ہند کے مسلمانوں نے بھی ایک مجلس پندرہ بیس سال ہوئے قائم کی اس کا نام ندوۃ العلماء رکھا ہے بعہد وزارت نواب سر وقارالامراء مرحوم اس کی سفارش کرکے سو روپیہ ماہوار اس کے نام اجرا کرائے"[۵۳]

مذہبی اور قومی کام جب تجدید نصاب کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور لکھنؤ سے واپس حیدرآباد آگئے تو آپ نے عوام کی اصلاح اور بہبود کے کاموں سے دلچسپی لینی شروع کی، جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں مذکور ہے :۔

---

۵۲ "لائف سی سالہ" ص ۲۰۔

۵۳ وحید اللغات۔ مادہ "ندو" ۱۲

"اسی ۱۲۹۷ھ کے اخیر آپ نے ہندوستان کے دورے سے فراغت حاصل کر کے حیدرآباد کو مراجعت فرمائی اور اس روز سے اب تک قومی خیر خواہی اور ہمدردی کے کاموں میں مصروف ہیں جو مجلس رفاہ قوم کے لئے قائم ہوتی ہے اس میں سب سے پہلے اعانت اور امداد کو مستعد ہوتے ہیں اور وعظ و نصیحت اور روپیہ اور تحریر سب سے مدد پہنچاتے ہیں۔[1]"

اسی زمانے میں موصوف نے منشی محب حسین کو ترغیب دی کہ وہ ایک ایسی انجمن قائم کریں جس میں ایسے موضوع پر تقریریں ہوں اور مقالے پڑھے جائیں جن سے عوام کے خیالات درست ہوں اور ان میں ترقی کا احساس پیدا ہو۔ انھوں نے آپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا، ایک انجمن قائم کی جس کا صدر نواب حافظ صدر الاسلام خان بہادر معتمد صدر المہام کو مقرر کیا گیا اور سکریٹری منشی محب حسین بنائے گئے، اس کے اراکین میں مولانا وحید الزماں بھی تھے۔ یہ انجمن ۲۷ رمضان ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء کو جمعہ کے دن قائم ہوئی پہلے اس کا لائحہ عمل مرتب ہوا اور اسی کے مطابق اس پر عمل کیا گیا، اس انجمن کے زیر اہتمام جو جلسے منعقد ہوئے وہ "جلسۂ خیر خواہ ہند" کے نام سے موسوم ہیں۔

اس انجمن کے اجلاس موصوف کی تجویز کے مطابق جمعہ کے دن دو بجے سے شروع ہوتے اور پانچ بجے ختم ہو جاتے تھے، انجمن مذکور کے زیر اہتمام جو جلسے منعقد ہوئے تھے ان میں آپ نے بھی اخلاقی، ثقافتی، اصلاحی اور مذہبی عنوانوں پر متعدد لکچر دیئے، آپ کے لکچر دینے کا طریقہ حسب ذیل تھا:۔

"آپ لکچر کھڑے ہو کر دیتے ہیں اور ہر ایک مقام پر جیسی ضرورت ہوتی ہے آیت یا حدیث اس کی تفسیر کے ساتھ بیان کرتے اور کبھی کبھی موقع پر اشعار دلچسپ بھی پڑھتے ہیں اور تاریخی وقائع اور حوادث اور حال کی ترقیات روزافزوں کا جو اہل یورپ کو ہو رہے ہیں بہت ذکر کرتے ہیں اور عجیب عجیب قصص تاریخی جن سے عمدہ اخلاق حاصل کرنے کی عوام کو رغبت ہو کمال متانت اور سلاست سے بیان فرماتے ہیں، آپ کے بیان میں یہ بھی ایک لطف ہے کہ حاضرین اگرچہ مخالفین ہوں پر اُن کو ملال نہیں ہوتا اس لئے کہ آپ مخالفین اور موافقین سب کا ذکر بعزت اور حرمت کرتے ہیں اور ہر ایک مذہب کے حقوق اور ناموس کا بہت لحاظ رکھتے ہیں۔ اکثر میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے وعظ اور لکچر میں ہندو اور مسلمان اور پارسی اور نصرانی رہا کرتے ہیں اور سب خوش ہو کر برخاست کرتے ہیں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ پرانے اور نئے فیشن کے حضرات دونوں آپ کے لکچر اور تقریر کی

---

[1] "لائف اسی سالہ" ص ۲۴۔

تعریف کرتے ہیں۔"[51]

مولانا وحید الزماں "تذکرۃ الوحید" میں لکھتے ہیں :-

"جلسۂ خیر خواہ ہند میں جو ۱۲۹۷ھ میں قائم ہوا تھا اور جس کے میر مجلس نواب حافظ صدر الاسلام خاں مرحوم تھے اور میں بھی اس کا ایک رکن تھا ایک سال تک میں نے متعدد لکچر کھڑے ہو کر دیئے جو تجارت اور زراعت اور ترقی علوم وفنون اور ضرورت اتحاد قومی اور تعلیم نسواں اور خوبی اور بہتری دین اسلام اور اثبات واجب بدلائل عقلیہ وفطریہ وغیرہ امور سے متعلق تھا۔"[52]

لکچروں کے عنوانات کی تفصیل درج ذیل ہے :-

(۱) تقریر دلپذیر در باب تقرر جلسہ خیر خواہ ہند و منافع و اغراض آں -
(۲) تقریر بے نظیر باستنباط جملہ علوم وفنون از قرآن -
(۳) سچی تہذیب اور ہمدردی -
(۴) تجارت اور زراعت اور صنعت کے فضائل اور ان کی ترقی کے اسباب اور وسائل اور تدابیر -
(۵) محبت قومی اور اصول ایمان -
(۶) موازنۂ علوم اہلِ اسلام واہلِ یورپ -
(۷) خوبی وبہتری دین اسلام از غیر ادیان ودلائل آں -
(۸) علم تاریخ وفضائل ونتائج آں -
(۹) موانع ترقی اسلام وبیان خیالات فاسدہ واصلاح آں -
(۱۰) معانی توکل وقناعت وتقدیر وتدبیر -
(۱۱) تعلیم نسواں وضرورت وفضیلت آں -
(۱۲) بیان ضرورت تعلیم مغربیہ ومشرقیہ -
(۱۳) فوائد ووعظ ونصیحت
(۱۴) مساوات جملہ السنہ بحیثیت لسان در درجہ ورتبہ ومنع نبودن تعلم کدامی زبان از روئے قواعد اسلام
(۱۵) ضرورت ترجمۂ قرآن در ہر زبان وبلاغ وتشیع وتشہیر آں،
(۱۶) فضائل غنا وتونگری ومنافع وتدابیر آں -

---

[51] "لائف سی سالہ"۔ ص ۲۷ - ۱۲

[52] تذکرۃ الوحید۔ ص ۱۴ - ۱۲

(۱۷) اثبات واجب بہ دلائل عقلیہ وفطریہ مذہبیہ۔

(۱۸) کیفیت تسلط انگریزاں بر ہندوستان ووجود آں۔

(۱۹) کیفیت ترقی اسلام درزمان خلفاء ووجوہ آں وسبب تنزل دریں زماں۔

(۲۰) منع از تعصب بیجا کہ منجر بہ تکفیر اہل قبلہ می شود وضرورت اتحاد اہل اسلام[۵۱]۔

قومی اور ملّی تحریکات میں شرکت

مولانا وحید الزماں رح کو مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کا بڑا خیال تھا، جب کوئی معقول تحریک اٹھتی تو آپ کا یہ جذبہ ابھر آتا اور آپ اس میں شرکت کرتے، دامے درمے قدمے سخنے جو خدمت بن آتی کبھی پہلوتہی نہ کرتے بلکہ ایسے کاموں کے لئے محکمہ سے چھٹی لیتے اور سفر کی صعوبتیں اٹھاتے مگران میں ضرور شرکت کرتے تھے چنانچہ حیدرآباد سے ندوۃ العلماء کے جلسوں میں شرکت کے لئے لکھنؤ جاتے، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا کوئی اجلاس ہوتا وہاں پہنچتے، جامع العلوم یا مدرسہ فیض عام کا کوئی جلسہ ہوتا کانپور آتے، انجمن اہل حدیث مدراس کا کوئی اجتماع ہوتا تو اس میں شرکت فرماتے تھے جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"قومی اسپرٹ اس کا مجھ کو ہمیشہ جوش رہا اور مسلمانوں کی مذہبی اور تمدنی ترقیات کے لئے جو مجھ سے ہوسکا کوشش کی، جو مدارس اور مجالس دینی اور تمدنی اصلاح اور تہذیب اور ترقی کے لئے قائم ہوئے ہیں اُن میں شریک ہوتا رہا، جیسے انجمن اخوان الصفا، جلسۂ خیر خواہ ہند ندوۃ العلماء، مدرسۃ العلوم علی گڈھ، مدرسۂ جامع العلوم، مدرسۂ فیض عام، انجمن اہلِ حدیث مدراس وغیرہ وغیرہ، ان سب کی تفصیل کے لئے یہ رسالہ عجالہ کافی نہیں[۵۲]"

انجمن اخوان الصفا میں شمولیت

اسی طرح جلسۂ خیر خواہ ہند سے پیشتر ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں مولوی محمد یوسف الدین کی کوششوں سے ایک انجمن اخوان الصفا کے نام سے قائم ہوئی تھی جس کا مقصد وحید مسلمانوں کی بہبود اور ترقی تھا۔ اس کے ایک رکن رکین مولانا وحید الزماں بھی تھے، آپ ہی کے ایما سے اس کا ایک ترجمان ماہنامہ جاری ہوا جس کا نام "ادیب" رکھا گیا، یہ تمامتر اصلاحی اور تبلیغی پرچہ تھا، اس میں اتفاق کے فوائد اور اس کی حقیقت پر ایک مضمون آپ نے لکھا تھا جیسا کہ مرزا محمد حسن لکھنوی "لائف سی سالہ" میں لکھتے ہیں:۔

آپ نے ایک مضمون عجیب وغریب ماہیت اتفاق اور فوائد اتفاق میں لکھا جو دیکھنے کے قابل ہے

---

۵۱ لائف سی سالہ۔ ص ۲۸۔ ۱۲

۵۲ تذکرۃ الوحید۔ ص ۱۶۔ ۱۲

سب سے بڑا خیال جو اکثر آپ کو رہا کرتا ہے اور جس کا آپ بہت ذکر کرتے ہیں یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی تعلیم کی اصلاح اور توسیع ضرور ہے مسلمان تعلیم میں کماً وکیفاً نقصان میں ہے جو ان کی ترقی اور تہذیب کا ایک قوی مانع ہے۔"

وعظ و نصیحت مولانا وحید الزمانؒ کی چونکہ مصروفیات گوناگوں تھیں، اس لئے وعظ و نصیحت کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا، لیکن جب موقعہ ملتا وعظ کہتے اور خدا اور رسول کی باتیں خلق خدا کو بتاتے تھے، فرماتے ہیں:۔

"وعظ و نصیحت کا مجھ کو کم اتفاق ہوا ہے[۵۱]۔"

بحث و مناظرہ مولانا وحید الزماں کی طبیعت کو بحث و مناظرہ سے نفرت تھی آپ کا دستور یہ تھا کہ جو حق سمجھتے برملا کہہ دیتے اس میں کسی کی لگی لپٹی نہ رکھتے اگر کوئی تردید کرتا تو جواب نہ دیتے اور سکوت کرتے تھے، چنانچہ موصوف کا بیان ہے:۔

"بحث اور مناظرہ کی طرف میں نے کبھی التفات نہیں کیا اور نہ کوئی کتاب مخصوص رد و قدح میں لکھی جیسے ہمارے زمانے کے اکثر مولویوں کا جادہ ہے بلکہ حتی المقدور جو میرے نزدیک حق معلوم ہوا اس کو ظاہر کر کے سکوت اختیار کیا اور یہی طریقہ مجھ کو اسلم نظر آیا[۵۲]۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

"باوجودیکہ میرے مزاج میں جنگ اور جدل اور تکرار نہیں ہے خاموشی اور گوشہ گیری میرا اشعار ہے مگر بدعتی ناحق مجھ سے حسد اور عداوت کرتے ہیں اور طرح طرح کے بہتان مجھ پر لگاتے ہیں، اللہ ان کو ہدایت کرے[۵۳]۔"

البتہ اگر کوئی غیر مسلم آپ پر اعتراض کرتا تو الزامی جواب دے کر خاموش کر دیتے تھے اس امر کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں:۔

"ایک پارسی نے مجھ پر اعتراض کیا کہ مسلمان لوگ جو اپنے مردے زمین میں گاڑتے ہیں تو زمین کو جو ایک مقدس مخلوق ہے ناپاک کرتے ہیں، برخلاف ہم لوگوں کے کہ مردوں کو جانوروں کی خوراک کر دیتے ہیں، میں نے اس کا جواب دیا کہ پارسی لوگ زمین پر جو پیشاب پائخانہ کرتے ہیں تو کیا اس سے زمین نجس نہیں کرتے، دوسرے پانی سے جو آبدست کرتے ہیں تو کیا پانی کو جو ایک مقدس مخلوق ہے

---

۵۱ تذکرۃ الوحید۔ ص ۱۴۔

۵۲ ایضاً ص ۱۴۔

۵۳ وحید اللغات۔ مادہ "جمرۃ"۔

ناپاک نہیں کرتے، اس کے علاوہ پارسی مُردوں سے تو دس پندرہ گدوں کے پیٹ بھرتے ہیں برخلاف مسلمانی مُردوں کے کہ ان سے ہزاروں لاکھوں چیونٹیوں کے پیٹ بھرتے ہیں اور پھر مردے کی بے حرمتی بھی نہیں ہوتی ان کے جسم کا کوئی عضو باہر نہیں پڑا رہتا، برخلاف پارسی مُردوں کے کیونکہ گِدھ ان کی آنتیں اعضا وغیرہ لے کر اڑتے ہیں اور مسان کے گرداگرد ان کو پھینکتے اور پھیلاتے ہیں یہ سُن کر پارسی صاحب کو کوئی جواب نہ بنا اور خاموش اور حیران رہ گئے۔"[1]

سوال وجواب اور ردوکد سے احتراز

مولانا وحید الزماں شروع ہی سے خمول پسند واقع ہوئے تھے۔ طبیعت میں ہنگامہ آرائی مطلق نہ تھی یہی وجہ تھی کہ آپ کسی سے الجھنا پسند نہیں کرتے تھے حالانکہ لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے مگر آپ ہمیشہ اعراض کرتے، آپ کو اگر سائل کے انداز سے یہ شبہ ہو جاتا کہ سُوال سے مقصد طلب حق نہیں ہے محض ردوکد ہے تو ایسے سوالات کی جواب دہی سے پہلوتہی کر جاتے تھے، فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ معلوم ہو کہ پوچھنے والا اس بات کو جانتا ہے لیکن محض امتحان یا فتنہ وفساد کرانے کے لئے پوچھتا ہے تب اس کا جواب نہ دینا اور خاموش رہنا درست ہے۔ میں اس وقت مدینہ میں ہوں اور یہاں بعضے لوگ مفسدہ انگیزی کی نیت سے مجھ سے توسل اور تقلید کی نسبت سوالات کرتے ہیں ان کا جواب دیدیتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے یہاں چاروں مذہب کے مفتی موجود ہیں تم ان سے جاکر پوچھ لو، اور اللہ سے امید ہے کہ میں اس انکار اور خاموشی میں جو سراسر مصلحت پر مبنی ہے گنہگار نہ ہوں گا۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔"[2]

مدینہ منورہ میں یونیورسٹی کے قیام کی تجویز

جب ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں "جمعیۃ الاتحاد والترقی" نے عمائدین عرب اور سربرآوردہ ترکوں کے باہمی اتحاد سے مدینہ منورہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں تمام ارباب حل وعقد اور مشاہیر اہل علم نے شرکت کی اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے اراکین میں حسن آفندی اور مولانا وحید الزماں بھی تھے، مولانا نے پیرانہ سالی کے باوجود اپنی تمام خدمات بلامعاوضہ یونیورسٹی کو پیش کردیں مگر جنگ عظیم کی وجہ سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا جس کا موصوف کو بڑا افسوس رہا، فرماتے ہیں:۔

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "طیب"۔ ۱۲

[2] ایضاً مادہ "لجم"۔ ۱۲

"۱۳۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں بہ صلاح و مشورۂ عمائد ترک و عرب ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی رائے ہوئی ایک مینار بھی بنایا گیا، اس میں ایک پتھر نصب کرکے اس پر نام سلطان محمد خامس کا کندہ کرایا گیا، ایک مجلس بھی اس یونیورسٹی کے انتظام اور تحصیل چندہ کے لئے قرار پائی، جس کے ایک رکن مولانا جمال الدین افغانی بھی تھے، میں بھی اس مجلس میں رکن اور شریک تھا اور میں نے بلامعاوضہ اپنی خدمات اس یونیورسٹی کی نذر کیں لیکن حق تعالیٰ کی تقدیر ہماری تدبیر کی مساعد نہیں ہوئی

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اس جنگِ عظیم نے جو مابین سلاطینِ یورپ ہوئی جس کی نظیر اگلی تواریخ میں نہیں ملتی اور جس میں دو کروڑ سے زیادہ آدمی مقتول اور مجروح اور تباہ ہوگئے، سارے منصوبوں کو کان لم تکن کر دیا۔ یفعل اللہ مایشاء و یحکم مایرید وکان امر اللہ قدراً مقدوراً[1]"

دین کی بے لوث خدمت

مولانا وحید الزماں نے بڑی بڑی تالیفات کیں۔ چاہتے تو بہت دولت جمع کر سکتے تھے مگر اس سے کبھی ایک پیسہ نہیں کمایا اور ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ کاش میرے پاس اتنی دولت ہوتی جتنی کہ نواب صدیق حسن خاں کو ملی تو میں بھی دین کے کاموں میں خرچ کرتا جس طرح نواب صدیق حسن خرچ کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:

"مجھ کو دنیا میں کسی مولوی پر رشک نہیں ہوا اس لئے کہ میں اپنے اوپر اللہ کی نعمتیں سب سے زیادہ سمجھتا تھا، ایک نواب صدیق حسن خان بہادر مرحوم و مغفور پر رشک ہوا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو سیادت، شرافت، نسب، حکومت و دولت، حسن و جمال، علم و کمال، اولاد و اہل و عیال، ساری نعمتیں عطا فرمائی تھیں اور ان کی دولت نیک کاموں میں یعنی قرآن و حدیث کی اشاعت میں صرف ہو رہی تھی۔"[2]

آپ نے بھی کتابوں سے زراندوزی نہیں کی ہمیشہ دین کی بے لوث خدمت کی اور کبھی کسی کتاب کے حقوق محفوظ نہ رکھے بلکہ جہاں تک ہو سکا خود طبع کرائیں اور اہلِ علم میں مفت تقسیم کرا دیں چنانچہ نور الہدایہ جیسی ضخیم کتاب پہلے خود طبع کرا کر اہلِ علم میں تقسیم کرادی پھر عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی نے اشاعت کی اجازت مانگی انھیں بلامعاوضہ طباعت کی اجازت دی، تشریح الحج والزیارہ کو خود چھپوا کر تقسیم کرایا۔ قواعد محمدی کو طبع کرا کر مختلف شہروں میں بھجوایا، "موضحۃ الفرقان" مولوی عبدالغفور

---

[1] تذکرۃ الوحید۔ ص ۱۶۔

[2] وحید اللغات۔ مادہ "نعم"

اور عبدالاول کو دیدیا جب انھوں نے مطبعۃ القرآن والسنہ کو بند کر دیا تو اس کا حق اشاعت مالک مطبع احمدی کو بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا اور آپ نے کوئی باز پرس نہ کی، اسی طرح اور لوگوں کو بھی طباعت کی اجازت دیدی اور انھوں نے آپ کی تالیفات چھاپ کر خوب نفع اٹھایا مگر افسوس! بعض نے مولانا کے ساتھ کچھ بہتر سلوک نہیں کیا جس کا موصوف کو افسوس رہا چنانچہ ایک صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ایک شخص کو میں نے اپنی تالیفات مفت بلا معاوضہ چھاپنے کے لئے دیں اس نے ہزاروں روپیہ ان کے ذریعے سے کمائے پھر میرے ہی ساتھ وعدہ خلافی اور دغابازی کی اب یہ زمانہ ایسا آیا ہے کہ کسی کے ساتھ احسان کرنا بھی مشکل ہے. بہت سمجھ بوجھ کر امتحان کر کے جانچ کر سلوک کرنا چاہئے[۱]"

اسی طرح وحید اللغات جیسی عظیم الشان کتاب کو اپنے پیسے سے چھپوایا اور اصل لاگت پر فروخت کر دیا، یہ کچھ کم حوصلہ کی بات نہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف میں دین کی بے لوث خدمت کا کتنا جذبہ تھا۔

مولانا کا مسلک

مولانا وحید الزماں کا خاندان چونکہ حنفی تھا اس لئے اوائل عمر میں مولانا کو حنفی مسلک سے بڑا شغف رہا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ مسیح الزماںؒ کے ایماء سے جس کتاب کا پہلے ترجمہ کیا وہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح الوقایہ تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حیدر آباد دکن میں اس کی اردو میں نہایت مبسوط شرح لکھی جس میں غیر مقلدین کے تمام اعتراضات کا تار و پود بکھیرا اور مسلکِ احناف کو نہایت محکم دلائل سے ثابت کیا ہے اور اسی غرض سے اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار کی حدیثوں کی تخریج پر ایک رسالہ لکھا جس میں بتایا ہے کہ اصول فقہ کا دارومدار حدیث پر ہے محض قیاس پر نہیں، عقائد میں بھی پورے پورے ماتریدی تھے چنانچہ علامہ تفتازانی کی شرح العقائد النسفیہ کی احادیث کی تخریج کی۔ مگر بعد میں آپ کے برادر بزرگ مولانا بدیع الزماں کی صحبت اور حدیث کی کتابوں کے ترجمہ کی وجہ سے غیر مقلد بن گئے تھے، چنانچہ محمد حسن لکھنوی لکھتے ہیں:-

"اوائل عمر میں آپ مقلد تھے اور مقلد بھی نہایت متعصب چنانچہ ترجمہ شرح وقایہ کے دیکھنے سے صاف یہ امر معلوم ہوتا ہے لیکن جوں جوں تحقیق آپ کی بڑھتی گئی تقلید کا مادہ گھٹتا گیا اور اب آپ سچے متبع کتاب و سنت ہیں[۲]"

---

[۱] وحید اللغات۔ مادہ "صلی"۔
[۲] "لائف سی سالہ" ص ۲۵۔

مولانا کے مزاج میں ایک نوع کا تلون اور انتہار پسندی بھی تھی جس کی وجہ سے بعض مسائل میں جمہور اہل حدیث سے بھی آپ کا اختلاف رہا، جیسا کہ "لائف سی سالہ" میں ہے:۔

"بعض مسائل میں آپ نے اپنے اہل عصر سے خلاف کیا اور یہ اختلاف آپ کا محض حقانیت کے سبب سے ہے نہ کہ مال وزر کی طمع سے یا بیجا تعصب سے منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ استواء ہے، آپ اس میں کتاب وسنت اور سلفِ اوّلین کے پیرو ہیں[۵۱]۔"

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں نے وجوب تقلید مذہب معین میں جو ابتدائے طالب علمی میں لکھا تھا اس سے بعد کو رجوع کیا۔ اسی طرح صفات میں متکلمین کی تاویلات اور تسویلات سے جن میں عنفوانِ شباب میں گرفتار تھا اور اب بھی اللہ تعالیٰ شانہ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو دین کے مسائل میں کوئی نفسانیت یا تعصب نہیں ہے اور نہ اپنے قول سے اگر وہ غلط نکلے رجوع کرنے میں کوئی شرم ہے[۵۲]۔"

اس آپس کے اختلاف کا سبب تھا کہ جب آپ نے "ہدیۃ المہدی" تالیف کی، تو اہل حدیث میں مخالفت کی ایک عام لہر دوڑ گئی تھی چنانچہ اہل حدیث میں سے ایک شخص نے اس مخالفت کے بارے میں موصوف کو لکھا تھا، اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں:۔

"مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے تو اہل حدیث کا ایک بڑا گروہ جیسے مولوی شمس الحق مرحوم عظیم آبادی اور مولوی محمد حسین صاحب لاہوری اور مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہم تم سے بددل ہو گئے ہیں اور عامۂ اہل حدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا میں نے ان کو جواب دیا الحمد للہ کوئی مجھ سے اعتقاد نہ رکھے نہ میرا مرید ہو نہ مجھ کو پیشوا اور مقتدی جانے نہ میرا ہاتھ چومے نہ میری تعظیم وتکریم کرے، میں مولویت اور مشائخیت کی روٹی نہیں کھاتا کہ مجھ کو ان کی بے اعتقادی سے کوئی ڈر ہو، ان مولویوں کو ایسی باتوں سے ڈرائے جو پبلک کے قلوب اپنی طرف مائل کرانا اپنے معتقدوں کی جماعت بڑھانا اور اُن سے نفع کمانا، ان کی دعوتیں کھانا، ان سے نذریں لینا، چندہ کرانا چاہتے ہیں[۵۳]۔"

اسی مخالفت کا یہ نتیجہ تھا کہ پھر موصوف نے اہل حدیث کی گروہ بندی پر جابجا نہایت سختی سے

---

۵۱ "لائف سی سالہ" ص ۴۵-۱۲

۵۲ "وحید اللغات" مادہ "شطن" ۱۲

۵۳ ایضاً ۔ مادہ "شر" ۱۲

نکتہ چینی کی ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

"ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے بُرا بھلا کہنے لگے، بھائیو ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو جب تم نے ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کی تقلید چھوڑی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے[۵۱]۔"

ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں:۔

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے ہیں[۵۲]۔"

مولانا وحید الزماں عقائد میں بھی پورے پورے سلفی تھے، صفات باری تعالیٰ کے متعلق جو الفاظ قرآن اور حدیث میں آئے ہیں ان کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں اور تاویل کے قائل نہیں چنانچہ "عقیدۂ اہل سنت" میں لکھتے ہیں:۔

"اللہ جل جلالہ کی ذات مقدس عرش کے اوپر ہے مگر یہ اوپر ہونا ایسا نہیں ہے جیسے ایک جسم دوسرے جسم کے اوپر ہوتا ہے بلکہ اس کی کیفیت خداوند کریم خوب جانتا ہے جیسے خداوند کریم دیکھتا ہے، سنتا ہے، چڑھتا ہے، اترتا ہے، بیٹھتا ہے، سنتا ہے، تعجب کرتا ہے، رحم کرتا ہے، غصہ کرتا ہے اس کے ہاتھ ہیں، آنکھ ہے، منھ ہے، قدم ہے، ساق ہے، پر ان چیزوں کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، سوائے خدا کے، جیسے اس کی ذات مقدس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، قرآن کی آیتوں اور صحیح صحیح حدیثوں سے ان سب صفات اور جہات کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر جتنے سلف صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ عظام اور اہل حدیث گذرے ہیں ان سبھوں نے ان صفات اور جہات کو تسلیم کیا ہے اور ان میں تاویل و تحریف کو جائز نہیں کہا، ان کے ظاہر معنی کو قبول کر کے اس کی کیفیت اور حقیقت کو خدا کے سپرد کیا ہے[۵۳]۔"

افسوس! حیدرآباد میں امراء کی صحبت، دراسات اللبیب فی اسوۃ الحسنۃ بالحبیب مؤلفہ ملا معین ٹھٹوی

---

۵۱ وحید اللغات - مادہ "نشر"۔ ۱۲

۵۲ ایضا مادہ "شعب"۔ ۱۲

۵۳ "عقیدۂ اہل سنت" ص ۳ - ۱۲

(المتوفی ۱۰۸۵ھ) اور شیخ طریحی کی مجمع البحرین کے مطالعہ نے اخیر عمر میں اہل بیت سے محبت غلو کے درجہ تک پہنچادی تھی اور تفضیلی قسم کے تسنن کا رنگ غالب آگیا تھا، آپ نے اس کو تبلیغی انداز میں جا بجا بیان کیا، لکھتے ہیں:۔

"اس مسئلہ میں قدیم سے اختلاف چلا آیا ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ دونوں میں کون افضل ہیں لیکن شیخین کو اکثر اہل سنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملتی، نہ یہ مسئلہ کچھ اصول اور ارکان دین سے ہے، زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کردیا ہے۔[1]"

---

[1] وحید اللغات ۔ مادہ "عثم"۔ ۱۲ جس قسم کے شبہے اور وسوسے مولانا کو ہوئے ہیں یہ کوئی نئے نہیں۔ اسی قسم کے شبہے اور وسوسے ہندوستان میں آج سے تین سو سال قبل دورِ اکبری اور عہد جہانگیری میں بھی بعض لوگوں کو پیش آئے ہیں، ہم یہاں ہندوستان ہی کے دو نہایت نامور اہل فن اور اربابِ بصیرت، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کا علمی پایہ محتاجِ بیان نہیں۔ اول الذکر مولانا وحید الزماں کے اجداد میں سے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی فاروقی ہی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۳۳۰ھ ج ۲ مکتوب ع۶۷ ص ۱۲۰) میں فرماتے ہیں:۔

بحث خلافت و امامت نزد اہل سنت شکر اللہ سعیہم ہر چند اصولِ دین نیست و باعتقاد تعلق ندارد اما چوں شیعہ دریں باب غلو نمودہ اند و با فراط و تفریط کردہ بضرورت علماء اہل سنت حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایں بحث را ملحق بعلم کلام ساختہ اند و حقیقتِ حال را بیان فرمودہ اند امام برحق خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از آں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از آں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از آں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت افضلیت شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است، چنانچہ نقل کردہ اند آنرا اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہل سنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی قطعی است انکار نکند مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

خلافت اور امامت کی بحث اہل سنت کے نزدیک اگرچہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ وہ عقائد سے تعلق رکھتی ہے مگر شیعیوں نے چونکہ اس بارے میں افراط و تفریط کرکے بڑی زیادتی کی ہے اس لیے علمائے حق نے اس بحث کو علم کلام میں داخل کیا ہے اور حقیقت کو بتایا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات ہے اور پھر سب سے افضل حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان خلفاء اربعہ کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہی ان کی افضلیت بھی ہے حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی افضلیت اور برتری صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے چنانچہ تمام اکابر ائمہ نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں شیخ ابوالحسن اشعریؒ جو اہل سنت کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت تمام امت پر یقینی اور قطعی ہے (بقیہ صفحہ آئندہ)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے اور ہے بھی یہی۔ آپ بلحاظ قرابتِ قریبہ اور فضیلت اور شجاعت کے سب سے زیادہ پیغمبر کی قائم مقامی کے مستحق، مگر چونکہ آنحضرتؐ نے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

می فرماید کسیکہ مرا بر ابی بکرؓ و عمرؓ فضل بدہد مفتری است او را تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را زنند حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ در کتاب غنیہ کہ از مصنفات ایشانست می فرماید و حدیثے نقل میکند کہ آں سرور فرمودہ است علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ مرا عروج واقع شد از پروردگار خود مسائلت نمودم کہ خلیفہ بعد از من علی بود ملائکہ گفتند کہ اے محمدؐ ہر چہ خدا خواہد آں شود خلیفہ بعد از تو ابوبکرؓ است و نیز حضرت شیخ می فرمود کہ حضرت امیر گفتہ است کہ بیروں نیاید پیغمبرِ خدا از دنیا تا آنکہ عہد کرد بمن کہ خلیفہ بعد از فوت من ابوبکرؓ خواہد بود بعد ازاں عمرؓ بعد از آں عثمانؓ بعد از آں تو خلیفہ خواہی بود۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اس حقیقت سے جاہل اور متعصب کے سوا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح افترا پرداز کو لگاتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین (اس کا اردو ترجمہ عام طور پر مل جاتا ہے) ارشاد فرماتے اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے عالم بالا پر لیجایا گیا تو میں نے اپنے پرورگار سے سوال کیا کہ میرے بعد میرے خلیفہ علیؓ ہوں فرشتوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدا چاہے گا وہی ہوگا آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک مجھ سے یہ عہد نہیں لے لیا کہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے، ان کے بعد حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور بعد ازآں ہیں۔"

* * *

ایک اور مکتوب (م۱۷ ج ۳ ص ۲۸) میں رقمطراز ہیں:۔

و افضلیت حضرات خلفائے اربعہ بترتیب خلافت ایشانست چہ اجماع اہل حق است کہ افضل اہل بشر بعد پیغامبراں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علیہم اجمعین حضرت صدیق ست رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجہ افضلیت انچہ ایں فقیر فہمیدہ است نہ کثرت فضائل و مناقب است بلکہ اسبقیت ایمان است و اقدمیت انفاق اموال و اولیت بذل انفس از برائے تائید دین و ترویج متین چہ سابق گویا در امر دین استاد

حضرات خلفاء اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے جیسا کہ تمام اہلِ حق کا اجماع ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ افضل ہیں، اس افضلیت کی وجہ جو اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ ایمان میں سابق ہونا اور اول رہنا دین کی تائید اور مذہب کی ترقی کیلئے سب سے زیادہ مال و جان قربان کرنا ہے کیونکہ

(باقی صفحہ آئندہ)

کوئی صاف وصریح نص خلافت کے باب، وفات کے وقت نہیں فرمایا اور صحابہؓ نے اپنی رائے اور مشورہ سے بلحاظ مصلحتِ وقت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا لیا تو آپ صبر کرکے خاموش ہو رہے اگر

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

لاحق است ولاحق ہرچہ می یابد از خوان دولت سابق می یابد ومجموع ایں ہر سہ صفات کاملہ منحصر در حضرت صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسبقیت ایمان کسیکہ انفاق مال وبذل نفس خود را جمع کردہ است او است رضی اللہ تعالیٰ عنہ وایں دولت غیر اورا دریں امت میسر نشدہ است قال رسول صلے اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ انہ لیس من الناس احداً امنّ علیّ فی نفسہ ومالہ من ابی بکر بن ابی قحافۃ ولو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً ولکنّ خلۃ الاسلام افضل۔ سدوا عنی کل خوخۃ فی ھذا المسجد غیر خوخۃ ابی بکر۔ وقال علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت واسانی بنفسہ ومالہ فھل انتم تارکو لی صاحبی، قال علیہ وعلی الہٖ الصلوٰۃ والسلام لو کان بعدی نبی لکان عمر ابن الخطاب، وحضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرمودہ است کہ ابوبکر وعمر ہر دو افضل ایں امت اند کسیکہ مرا برایشاں فضل دہد مفتری است واورا تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را زنند“

دین کے معاملہ میں سابق (اول رہنے والا) لاحق (پیچھے آنے والے) کا استاد ہوتا ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے وہ سابق کی بدولت پاتا ہے۔ یہ تینوں کامل صفتیں حضرت ابوبکر صدیقؓ میں منحصر ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور مال وجان سب کچھ راہِ خدا میں پیش کر دیا، رضی اللہ عنہ اس امت میں یہ سعادت آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت بھی اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے (صحابہ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے ابوبکر بن ابی قحافہؓ سے بڑھ کر مجھ پر جان نثاری کی ہو یا مال خرچ کیا ہو اگر میں کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابوبکرؓ کو دوست بناتا مگر اسلامی دوستی سب سے بہتر ہے۔ اس مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریچے کے سوا اور جتنے دریچے ہیں سب کو میری طرف سے بند کردو (صحیح البخاری مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۹۲۰ء ج ۱ ص ۶۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا اور تم نے مجھے جھٹلایا مگر ابوبکر صدیق نے میری تصدیق کی اور میری ہر بات کو سچا جانا اپنی جان اور مال سے میری ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا تم میرے لئے میرا دوست نہیں چھوڑتے (صحیح البخاری مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۹۲۰ء ج ۱ ص ۵۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطابؓ ہوتا (جامع الترمذی، مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۹۴۰ء ۱۳۵۹ھ ج ۲ ص ۲۰۹) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھ کو ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔“

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

❊ ❊ ❊

❊ شاہ ولی اللہ دہلوی فیوض الحرمین (مطبع احمدی دہلی ص ۵۱) میں فرماتے ہیں:۔

ھل تعرف لم کان الشیخان رضی اللہ عنہما افضل من علی کرم اللہ وجھہ

تم کو معلوم ہے کہ شیخین (ابوبکر و عمرؓ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیوں افضل ہیں باوجودیکہ آپ

(باقی بر صفحہ ۱۰۶)

اُس وقت تلوار نکالتے اور مقاتلہ کرتے تو دینِ اسلام مٹ جاتا اور اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ پہلے ابوبکرؓ خلیفہ ہوں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ چاروں کو خلافت کی فضیلت مل جائے۔ اگر جناب امیرؓ پہلے پہل خلیفہ ہو جاتے تو یہ تینوں صاحب اس

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

مع انہ اول صوفی واول مجذوب و اول عارف فی ھذہ الامۃ ولا تری ھذہ الکمالات فی غیرہ الا قلیلا من قبل التطفل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، تبینت ھذہ المسئلۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاظھر لی وذلک ان الفضل الکلی عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم مایرجع الی تمام امر النبوۃ کاشاعۃ العلم وتسخیر الناس علی الدین وما یناسبہ واما الفضل الراجع الی الولایۃ کالجذب و الفناء فلیس الا فضلا جزئیا من وجہ ضعیف والشیخان کانا من المجردین للاول حتی انی اراھما بمنزلۃ فوارۃ ینبع منھا الماء فالعنایۃ التی حلت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہرت بعینھا فیھما فھما بحسب کمالھما بمنزلۃ العرض الذی لیس ھو الا قائما بالجوھر ومتمما لتحققہ فعلی کرم اللہ وجہہ وان کان اقرب الیہ بحسب النسب والحیوۃ و الفطرۃ المحبوبۃ منھما واقوی جذبا واشد معرفۃ لکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحسب کمال النبوۃ امیل الیھما ولذلک لم یزل العلماء الحملۃ لمعارف النبوۃ یفضلونھما ولم یزل العلماء الحملۃ لمعارف الولایۃ یفضلونہ ولذلک کان من فنھا بعینہ (یلیہ) مدفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس امت میں سب سے پہلے صوفی سب سے پہلے مجذوب اور عارف ہیں، آپ کے سوا کسی اور میں یہ کمالات نہیں ہیں اور ہیں بھی تو بہت تھوڑے اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل۔ میں نے یہ سوال خود بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو مجھ پر منکشف ہوا کہ فضیلت کلی رسالتمآبؐ کے نزدیک وہ ہے جس کا تمام تر مرجع امر نبوت ہو، مثلاً علم کی اشاعت کرنا لوگوں کو دین اسلام کا تابع بنانا اور اسی کے مطابق اور باتیں ہیں جو فضیلت کہ ولایت کی طرف راجع ہو جیسے جذب و فنا تو وہ فضیلت جزئی ہے اور یہ جزئی فضیلت چنداں اہم نہیں، شیخین رضی اللہ عنہما چونکہ قسم اول کے ساتھ مخصوص ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے ان کو فوارہ کی طرح پایا کہ جس میں سے پانی نکل رہا تھا، پس جو باری تعالیٰ کی عنایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی وہی عنایت شیخین رضی اللہ عنہما پر ہوئی۔ آپ دونوں حضرات اپنے کمالات کی وجہ سے ایک ایسے عرض کی طرح ہیں جو جوہر کے ساتھ قائم اور اس کے تحقق کے لئے تکملہ ہے حضرت علیؓ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب میں رشتہ اور خاندان اور فطرت محبوبہ میں شیخینؓ کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں اور جذب میں بہت قوی اور معرفت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمالِ نبوت کی وجہ سے حضرات شیخین کی طرف زیادہ مائل ہیں اور اسی لئے جو علماء معارفِ نبوت سے واقف ہیں وہ ہمیشہ شیخین کو افضل کہتے ہیں اور جو لوگ محض اوصاف ولایت کو دیکھتے ہیں وہ حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کمالاتِ نبوت سے قوی مناسبت کی وجہ سے حضرات شیخین کا مدفن بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہے۔"

فضیلت سے محروم رہتے ہیں[۱]

ایک مقام پر حضرت معاویہؓ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"بھلا ان پاک نفسوں پر معاویہؓ کا قیاس کیونکر ہو سکتا ہے جو نہ مہاجرین میں سے نہ انصار میں سے

۱؎ وحید اللغات مادہ "عجز"۔ حضرت مجدد الف ثانی "رسالہ ردِ روافض" (طبع نو لکشور لکھنؤ ۱۸۸۶ء ص ۱۷) میں لکھتے ہیں:-

اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد رحلت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وبارک پیش در دفن بنصب امام مشغول گشتند و نصب امام را بعد از انقراض زمان نبوت واجب دیدند بل جعلوہ اہم الواجبات زیراکہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام امر فرمودہ بود باقامت حدود و سد ثغور و تجہیز جیوش از برائے جہاد و حفظ اسلام ومالا یتم الواجب المطلق الا بہ وکان مقدوراً فہو واجب لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گفت ایہا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت لابد لھذا الامر من یقوم بہ فانظروا وھاتوا اٰراءکم فقالوا صدقت، پس اول حضرت عمر بصدیق بیعت کرد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعد از آں جمیع اصحاب از مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیعت کردند ولعد از بیعت ایشاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر منبر برآمد و بجانب قوم ملاحظہ نمود زبیر را رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیافت فرمود کہ حاضر سازند چوں حاضر گشت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمود کہ می خواہی کہ اجماع مسلماناں را بشکنی، زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گفت لا تثریب یا خلیفہ رسول اللہ پس بصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت کرد باز حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در قوم ملاحظہ فرمود حضرت امیرؓ را نیافت فرمود کہ طلبند چوں حاضر شد صدیق گفت کہ می خواہی کہ با جماع مسلماناں شکست

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اور آپ کے کفنانے اور دفنانے سے پیشتر خلیفہ مقرر کرنے میں مشغول ہو گئے انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا نہایت ضروری سمجھا بلکہ امور ضروریہ میں بھی اس کو سب سے اہم اور لابد خیال کیا کیونکہ آپ نے حدود کو قائم کرنے، سرحدوں کے تحفظ، اسلام کی بقا اور جہاد کے لئے لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا، یہ امر مطلق جو ایک ضروری امر تھا وہ اسی طرح پورا ہو سکتا تھا اور یہ کچھ ان کے بس سے باہر بھی نہ تھا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو محمد صلعم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اب اس خلافت کے بار کو کون اٹھائے گا سوچ کر اپنی رائے دو، صحابہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا یہ کام حقیقت میں نہایت اہم اور ضروری ہے پس سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اس کے بعد تمام مہاجرین اور انصار صحابہ نے آپ سے بیعت کی۔ ان کے بیعت کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ منبر پر تشریف لائے اور تمام صحابہؓ کو غور سے دیکھا مگر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر نہ آئے، آپ نے فرمایا ان کو بلاؤ۔ جب آپ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا چاہتے ہو، حضرت زبیرؓ نے جواب دیا اے رسول اللہؐ کے خلیفہ الزام دینے کی کوئی بات نہیں

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

نہ انھوں نے آنحضرتؐ کی کوئی خدمت اور جاں نثاری کی بلکہ آپ سے لڑتے رہے اور فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے مسلمان ہو گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کو

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

ازی گفت، لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ فبایعہ، حضرت امیر و زبیر از برائے تاخیر بیعت خود عذر گفتند کہ ما غضبنا الا لتاخیرنا عن المشورۃ وانا نری ابابکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار وانا لنعرف شرفہ وخیرہ ولقد امرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ بین الناس وھو حیٌّ قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ بایع الناس علی خلافۃ ابی بکر وذلک انہ اضطر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلم یجدوا تحت ادیم السماء خیرا من ابی بکرؓ فولوہ رقابھم وایضا اجماع امت بر حقیقت خلافت یکے از ابوبکر و علی و عباس واقع شدہ بود و علی و عباس با ابوبکر منازعت نکردند بلکہ بیعت کردند پس اجماع بر امامت ابی بکرؓ تمام شد چہ اگر ابوبکر بر حق نمی بود علی و عباس با و منازعت می کردند چنانچہ علیؓ بمعاویہؓ منازعت کرد باوجود شوکت از معاویہ طلب حق کرد تا آنکہ خلق کثیر را بکشتن داد مع ان الطلب اذ ذاک اشد وفی اول الامر اسھل لکون عھدھم بالنبی اقرب وھممھم فی تنفیذ احکامہ ارغب وایضا عباس از امیر طلب بیعت کرد و امیر قبول نکرد اگر حق بجانب او میدید قبول می کرد حال آنکہ زبیر با کمال شجاعت باوجود بنو ہاشم وجمع کثیر با و متفق بودند و اجماع کافی است از برائے حقیقت خلافت ابی بکرؓ اگرچہ نص بر خلافت او وارد نشدہ کما قال جمہور العلماء بلکہ اجماع اقوی است از نصوص غیر متواتر چہ مدلول اجماع قطعی است و مدلول آں نصوص ظنی با آنکہ

اور فوراً حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لی، پھر حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کے مجمع پر نظر ڈالی تو حضرت علیؓ کو نہ پایا فرمایا ان کو بھی بلا کر لائیں، جب وہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تم بھی مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا چاہتے ہو حضرت علیؓ نے کہا رسول اللہ کے خلیفہ الزام دینے کی کوئی بات نہیں اور فوراً بیعت کر لی، حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے دیر سے بیعت کرنے کا یہ عذر بیان کیا کہ ہم اس لئے خفا ہوئے کہ آپ نے مشورہ میں ہمیں پہلے کیوں نہ بلایا، ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں ہم آپ کے مرتبہ اور حسنِ سلوک سے واقف ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ رسالتماب صلعم نے اپنی حیات بابرکات میں صحابہ کو نماز پڑھانے کا حکم آپ ہی کو دیا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں سب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت کی کیونکہ وہ مجبور تھے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد زیر آسمان اور بر سر زمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو نہ پایا چنانچہ انھوں نے اپنے تمام امور کا آپ ہی کو والی اور حاکم مقرر کیا، تمام امت کا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے برحق ہونے پر اتفاق اور اجماع ہے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس معاملہ میں آپ کی مخالفت نہ کی بلکہ بیعت کر لی پس تمام امت کا آپ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر نہ ہوتے تو حضرت علیؓ اور عباسؓ ان سے لڑتے جیسا کہ حضرت علیؓ معاویہؓ سے لڑے۔ اور حضرت معاویہؓ کے دبدبہ اور شوکت کے باوجود آپ ان سے حق کے خواستگار تھے اور اسی لئے بہت سے آدمیوں کو شہید بھی کرادیا، حالانکہ اسوقت

(باقی آئندہ صفحہ)

یہ رائے دی کہ علیؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کو قتل کر ڈالیں [۱]"

آگے لکھتے ہیں :-

"ایک سچے مسلمان کا جس میں ایک ذرہ برابر بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو دل یہ گوارا کرے گا کہ وہ معاویہ کی تعریف اور توصیف کرے البتہ ہم اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ صحابہؓ سے سکوت کرتے ہیں اس لئے معاویہؓ سے بھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے اور یہی اسلم اور قرین احتیاط ہے مگر ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ کہنا سخت دلیری اور بے باکی ہے اللہ محفوظ رکھے [۲]"

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

گویم کہ نصوص ہم وارد گشتہ اند از برائے حقیقت خلافت کما ذکرہ المحققون من المحدثین والمفسرین

ایسا مطالبہ کرنا بڑا دشوار کام تھا اور اول امر میں یعنی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے وقت یہ بہت آسان تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی قریب تھا اور احکام الٰہی اور قیام حدود کے لئے حوصلہ بھی نہایت بلند تھا پھر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا بھی تھا کہ بیعت کے واسطے ہاتھ بڑھاؤ مگر حضرت علیؓ نے آپ کی اس تجویز کو رد کر دیا اگر آپ اپنے تئیں زیادہ مستحق سمجھتے تو اس مشورہ کو ضرور قبول کرتے حالانکہ حضرت زبیرؓ جیسا جری انسان بھی آپ کے ساتھ تھا بنو ہاشم بھی مدد کے لئے تیار تھے اور صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آپ سے متفق تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت برحق ہونے کے لئے اجماع کافی ہے اگرچہ آپ کی خلافت کے باب میں کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے مگر اجماع صحابہ نصوص غیر متواترہ سے زیادہ قوی ہے کیونکہ اجماع کی حقانیت کا مدلول قطعی ہوتا ہے اور نصوص کا مدلول ظنی ہوتا ہے اس کے باوجود ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نصوص بھی وارد ہیں جیسا کہ محققین محدثین اور مفسرین نے لکھا ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ھٰذا)

[۱] وحید اللغات۔ مادہ "عز" ۔ ۱۲

[۲] ایضاً ۔ مادہ "عز"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور مشہور صحابی ہیں۔ صحابہؓ کے لئے قرآن میں ارشاد ہے :-

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

یہی وہ برگزیدہ نفوس ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا نقش تحریر فرما دیا ہے اور اپنی قوت غیبی سے ان کی مدد فرمائی ہے اور وہ انھیں بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور

(باقی صفحہ آئندہ)

مولانا وحید الزماں کے احباب میں بعض ارباب بصیرت شیعیوں کی رائے موصوف کی رائے کے بالکل برعکس تھی جیسا کہ مولانا تحریر فرماتے ہیں:-

"میں نے ایک معاملہ فہم اور سیاسی شیعی فاضل (سید حسین صاحب بلگرامی) سے سنا وہ کہتے تھے سچی بات تو یہ ہے کہ خلافت میں جو انتخاب ہوا وہی انسب واصلح ہوا اور اگر حضرت علیؓ شروع ہی میں خلیفہ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۂ مجادلہ ۵۸: ۲۲)

وہ خدا سے خوش ہیں۔ یہی اللہ کی جماعت ہے۔ یقین رکھو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا صحابہ سے خوش ہونا محض اس لئے تھا کہ ان کے ایمان کی آزمائش پہلے کر لی گئی تھی اس کی صحت اور صداقت میں کسی قسم کی خامی نہیں تھی جب ہی رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (سورۃ الحجرات ۴۹: ۳)

یہی وہ حضرات ہیں جن کے قلوب اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لئے آزما لئے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے

لہٰذا اب ان پر کسی قسم کا طعن کرنا روا نہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فتاوی العزیزیہ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۱۰۱) میں لکھتے ہیں:-

انچہ در متون عقائد مرقوم است کہ صحابی را طعن نباید کرد درست است اما روایت حدیثے متضمن وجہے از وجوہ طعن در بعضے صحابہ باشد باکے ندارد بالجملہ غرض اصحاب متون بایں لقب صحابہ است نہ آنکہ صحابہ کلہم معصوم اندکہ وجہے از وجوہ طعن نداشتند چہ از بعضے صحابہ شرب خمر ثابت شدہ چنانچہ در مشکوٰۃ است و بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وعلی آلہ وسلم اقامت حدود برآنہا کردہ اند واز حسان بن ثابت ومسطح ابن اثاثہ قذف ثابت شدہ وبرانہا حد نیز جاری گشتہ واز ماعز اسلمی زنا صادر شدہ ومرجوم گردید آرے زلات وخطائے ایں مردم من حیث الصحابۃ واجب الاحترام اند واز آں قبیل نیستند کہ امت زبان طعن دراز کنند تا وقتیکہ نفاق وارتداد آنہا بالقطع معلوم نگردد مثلاً در حق ابوذر غفاریؓ در حدیث صحیح بخاری وارد شدہ "انك

عقائد اور کلام کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ کسی صحابی کو طعن کرنا روا نہیں بالکل بجا اور درست ہے مگر بعض روایتیں جو طعن صحابہ پر مشتمل ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، الغرض عقائد کی کتابوں میں لفظ صحابہ سے تمام صحابہ کا معصوم ہونا اور ہر قسم کے طعن سے بری ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ بعض صحابہ سے شراب کا پینا بھی ثابت ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے اور متعدد مرتبہ ان افعال کے مرتکب صحابہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود قائم کی ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہؓ پر قذف (تہمت کی سزا) جاری ہوئی ہے۔ حضرت ماعز اسلمیؓ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے اور آپ سنگسار کئے گئے ہیں مگر ان خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود یہ صحابی ہونے کے باعث قابل احترام ہیں اور ایسے نہیں ہیں کہ امت ان کو مطعون کر سکے تا وقتیکہ کسی کے متعلق نفاق اور ارتداد کا یقینی ثبوت نہ مل جائے، مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق صحیح بخاری میں موجود ہے: انك

(باقی صفحہ ۱۱۱ پر)

ہوجاتے تو سارا معاملہ بگڑ جاتا اور اسلام کا اتفاق درہم برہم ہوجاتا کیونکہ اکثر قلوب ان کی طرف مائل نہ تھے، دوسرے اس وقت تک حضرت علیؓ نوجوان اور کم سن تھے اور ان کو دنیا کے مصالح

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

امرء فیك جاهلیة" حالا مردم رانمی رسد کہ بگوئیم ابوذرؓ مرد جاہل بود ہمچنیں در حق ابوجہم کہ از عمدۂ صحابہ است در صحیح بخاری وارد شدہ کہ لا یضع عصاہ عن عاتقہ کنایہ از آنست کہ او بسیار ضرب وسیاست می کند زنان وخادمان خود را حالا مردم رانمی رسد کہ گوئیم ابوجہم مرد ظالم بود بلکہ اگر نظر فکر با اتر اندازیم دریابیم کہ بعضے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام را از خدا تعالیٰ در مقام عتاب الفاظ عتاب آمیز وارد شدہ امت را ہرگز جائز نیست کہ بمقتضائے آں الفاظ در حق آنحضرت تکلم نماید مثل عصیٰ آدم ربہ فغویٰ حال آنکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام را عاصی وغاوی گفتن کفر است ومثل لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین واذ ابق الی الفلك المشحون . . . . فالتقمہ الحوت وھو ملیم کہ در حق یونس علیہ السلام علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام آبق وظالم وملیم گفتن ہیچ کس را جائز نیست پس عبارت متون ہم درست است نظرا الی مراعات الادب الواجب علی الامم وحدیث مذکور ہم صحیح المعنی نظرا الی الواقع وہمیں است صحیح عقائد اہل سنت شکر اللہ سعیہم۔

امرء فیك جاهلیة کہ تم میں ابھی تک جاہلیت کی بوباس موجود ہے لیکن ہم کو اس کی اجازت نہیں کہ ہم حضرت ابوذر غفاریؓ کو جاہل کہیں اور ایسے ہی حضرت ابوجہمؓ کے متعلق جو ممتاز صحابہ میں ہیں صحیح بخاری میں آیا ہے لا یضع عصاہ عن عاتقہ (وہ تو ہاتھ سے ڈنڈا ہی نہیں رکھتا) جو عورتوں اور خادموں کے ساتھ زدوکوب سے کنایہ ہے۔ مگر ہم کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہم آپ کے متعلق یہ کہیں کہ حضرت ابوجہم ایک جابر و ظالم انسان تھے اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی قرآن پاک میں عتاب کے موقعوں پر عتاب آمیز الفاظ وارد ہیں مگر امت کو جائز نہیں کہ وہ ان برگزیدہ نفوس کی شان میں حق تعالیٰ کے انداز کلام کی طرح سخت الفاظ استعمال کرے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے عَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۱) حکماً لا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا) مگر ہمارا حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی اور غاوی کہنا کفر ہے یا جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن میں آیا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بیشک میں قصوروار ہوں، سورۃ الانبیاء ۲۱: ۸۷) اور وَاِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ . . . . فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ (جب وہ بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر . . . . پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے (سورہ الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۴۰) ہم میں سے کسی کو حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق آبق اور ظالم اور ملیم کہنا جائز نہیں۔ پس متون عقائد کی عبارت صحابہ کے احترام کے پیش نظر بالکل درست ہے اور حدیث شریف بھی واقعہ کے اعتبار سے صحیح المعنی ہے اور یہی اہل سنت کے صحیح عقائد ہیں۔

اور حوادث کا اتنا تجربہ نہ تھا جتنا ابوبکر صدیق رضؓ کو تھا۔"[1]

محبت اہلِ بیت کا نمونہ :-

"عبداللہ بن عمرؓ ہمارے آبار و اجداد میں تھے، حجاج کا نام سنتے ہی مجھ کو آگ لگ جاتی ہے جیسے یزید کا نام سنتے ہی میرے غصے کا پارہ انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے، کیا کریں ہم اخیر زمانے میں پیدا ہوئے ورنہ جب تک یزید اور حجاج اور ان کے معاونین سے ہم اپنے پیارے بزرگوں اور شہزادوں کا بدلہ نہ لیتے چین نہ آتا خیر اب آخرت میں دیکھ[2] لیں گے۔"

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ ہے، فرماتے ہیں :-

"میں جب دمشق میں مسجد بنی امیہ میں گیا تو وہاں ایک طرف ایک چھوٹا سا گنبد بنا ہے کہتے ہیں امام حسینؓ کا سر مبارک وہاں مدفون ہے یہ بھی ایک قول ہے مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں قبۃ اہلبیت میں مدفون ہے اور جسد مبارک بالاتفاق کربلائے معلیٰ میں ہے۔ دمشق میں عجیب اتفاق ہوا جب میں اس گنبد کی زیارت کو گیا تو اس کے پاس جاتے ہی واقعۂ شہادت آنکھوں میں پھر گیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، سارے عرب لوگ جو حاضر تھے تعجب کرنے لگے، وہ میرا رونا تھمتا ہی نہ تھا، بار بار عربی زبان میں کہتا ہائے ہماری بدقسمت کہ ہم آپ کے بعد پیدا ہوئے اگر اس وقت ہوتے جب آپ کربلائے معلیٰ میں گھر گئے تھے تو پہلے ہم آپ سے تصدق ہو جاتے پھر کوئی ملعون آپ پر ہاتھ ڈالتا۔"[3]

اسی فرطِ محبت کا یہ اثر تھا کہ آپ محرم کو مستقل ماتم کا مہینہ سمجھتے تھے اور اس سے سالِ نو کا آغاز اچھا نہیں خیال کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اکثر لوگوں نے سال ہجری کا شروع محرم سے رکھا ہے[4] مگر جب سے امام حسینؓ کی شہادت محرم میں ہوئی یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا۔ مترجم کہتا ہے اگر سب مسلمان مل کر سال کا آغاز ماہ شوال سے کرلیں تو بہت مناسب ہوگا اور غرۂ شوال سال کا پہلا دن ہو اس دن خوشی کریں کھائیں پئیں محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے[5] دوسری قومیں سال کے پہلے دن میں خوشی اور خرمی کرتی ہیں اور مسلمان روتے پیٹتے[6] اور غم کرتے ہیں۔"

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "لغط"۱۲ [2] ایضاً۔ مادہ "صوب"۱۲ [3] ایضاً۔ مادہ "ذرف"۱۲ [4] اہل عرب میں سن کا تعین عام الفیل سے تھا۔ عہد فاروقی میں سال کا تعین ہجرت جیسے اہم واقعہ سے ہوا اور سالِ نو کا آغاز حسب دستور ماہِ محرم سے ہوا۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو: الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ از علامہ شمس الدین محمد السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ مطبعۃ الترقی ۱۳۴۹ء قاہرہ ص ۷۹-۱۲ [5] یہ کہنا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے یہ مہینہ غم کا بن گیا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اس ماہ میں غم و اندوہ کا اظہار صرف ایران اور اسی کے اثر سے ہندوستان، عراق اور نجف میں ہوتا ہے دیار عرب میں کہیں اس کا رواج نہیں ہے یہ سب تشیع کے اثرات ہیں-۱۲ [6] وحید اللغات۔ مادہ "عود"۱۲

باب ہفتم
تصنیفات و تالیفات

- علامات الموت
- نور الہدایہ
- احسن الفوائد
- اشراق الابصار
- فتاویٰ بے نظیر
- تشریح الحج والزیارہ
- الحاشیۃ الوحیدیۃ
- الانتہاء فی الاستواء
- قواعد محمدی
- عقیدۂ اہل سنت
- کشف المغطاء
- الہدی المحمود
- روض الربیٰ
- المعلم
- تسہیل القاری
- رفع العجاجہ
- موضحۃ الفرقان
- تیسیر الباری
- تبویب القرآن
- ھدیۃ المھدی
- تذکرۃ الوحید
- کنز الحقائق
- اصلاح الھدایۃ
- وحید اللغات (لغات الحدیث)
- وظیفۂ نبی باوراد وحیدی
- تصحیح کنز العمال۔

مولانا وحید الزماں کے والد شیخ مسیح الزماں چونکہ خود عالم تھے پھر مطبع قائم کر چکے تھے ہر قسم کی کتابوں سے واقف تھے مترجموں اور پڑھے لکھے لوگوں کی عام کمزوریوں سے بھی آشنا تھے کہ وہ سب کچھ پڑھنے کے بعد بھی نہ بلا تکلف ترجمہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کو تصنیف و تالیف کا ڈھنگ آتا ہے اس لئے آپ نے وحید الزماں کی تعلیم میں اس امر کا خاص خیال رکھا کہ یہ خامیاں نہ رہنی چاہئیں چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کہ آپ شرح الوقایہ پڑھتے تھے اور ابھی خورد سال ہی تھے کہ شیخ مسیح الزماں نے ان کو پابند کر دیا تھا کہ جتنا سبق پڑھو اس کا ہر روز اردو میں ترجمہ کر لیا کرو، چنانچہ آپ جتنا پڑھتے اتنا ترجمہ کر لیتے تھے اس طرح شرح الوقایہ کے پڑھنے کے زمانہ ہی میں پوری شرح الوقایہ کا ترجمہ ہو گیا اور اس سے آپ کو ترجمہ کرنے کا ڈھنگ آ گیا۔ نیز اس طرح کتابوں کو سمجھ کر پڑھنے کا موقعہ ملا۔ استعداد بھی پختہ ہو گئی۔ جو خامیاں دورانِ تعلیم میں عموماً رہ جاتی ہیں وہ بھی ایک ایک کر کے نکلتی گئیں اور ترجمہ کرنے کی عادت ہو گئی، یہی وجہ تھی کہ کچھ عرصہ بعد ایسا ملکہ حاصل ہو گیا تھا کہ بڑی بڑی کتابوں کا ترجمہ بلا تکلف کر لیتے تھے اور کہیں لغت دیکھنے کی حاجت نہیں ہوتی تھی جیسا کہ فرماتے ہیں:-

"مجھے طفولیت سے ترجمے کا شوق رہا اور بڑی بڑی کتابوں کے ترجمے میں نے لکھے اور اب عربی کے ترجمہ کرنے میں کسی قسم کی دقت یا لغت بینی کی حاجت مجھ کو نہیں ہوتی"[1]

بلا شبہ عربی سے اردو زبان میں ترجمہ کا کام جتنا تنہا آپ نے کیا اتنا کسی اور نے نہیں کیا بلکہ شاید اور زبانوں میں بھی اتنی اہم کتابوں کا ترجمہ کسی ایک شخص نے نہیں کیا۔ اس کے علاوہ بعض کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں اور بعض مستقل تالیفات چھوڑی ہیں۔ ہم جب آپ کے گوناگوں مشاغل کو دیکھتے اور پھر ان تالیفات اور تراجم پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔

یہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے اپنے دین کا کام آپ سے لیا اور صحاح ستہ کے ترجموں کا شرف آپ کو بخشا پھر قرآن و حدیث کی ایسی عظیم الشان لغت مرتب کرائی جو اردو زبان میں اپنی نظیر آپ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا کا ترجمہ عموماً بامحاورہ، سادہ اور سلیس ہوتا ہے پھر مختصر تشریحی فوائد ہوتے ہیں جس سے قاری عبارت کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ حدیث کے ترجموں میں مذاہب ائمہ اربعہ سے کم اعتنا کیا ہے

[1] لائف سی سالہ۔ ص ۵۷-۱۲

اور اس کی وجہ کچھ تو اثری رنگ کا غلبہ (عدم تقلید) اور کچھ نواب صدیق حسن خاں کا مشورہ ہے جس کی وجہ سے مقلدین کو مطالعہ کے دوران میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اگر فوائد میں ان امور کی رعایت ہو جاتی تو ترجمہ کی افادیت بہت بڑھ جاتی، جیسا کہ مولانا خرم علی بلہوریؒ نے "مشارق الانوار" کے اردو ترجمہ "تحفۃ الاخیار" میں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کتاب کو دونوں طبقوں میں قبولیتِ عام حاصل ہے۔

موصوف نے جو ترجمے اور تالیفات یادگار چھوڑی ہیں اب ہم ان کو ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے ناظرین کو موصوف کے علمی کارناموں کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

(۱) علامات الموت یہ حکیم بقراط کے رسالہ قبریہ کا اردو ترجمہ ہے جو موصوف نے طالب علمی کے ابتدائی دور میں کیا تھا جب آپ صرف و نحو کی کتابیں پڑھتے تھے، یہ بعد میں چھپ کر شائع ہو گیا تھا مگر اب نہیں ملتا۔

(۲) نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ یہ فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتاب شرح الوقایہ مولفہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ کا اردو ترجمہ اور اس کی چار ضخیم جلدوں میں نہایت جامع شرح ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۸۲ھ میں مولانا وحید الزماں کے والد مولانا مسیح الزماں نے اپنے خرچہ و صرفہ سے مطبع نظامی کانپور میں کلاں سائز پر چھپوا کر اہل علم میں مفت تقسیم کرائی تھی، اور اس کا حق اشاعت مولانا عبد الرحمن شاکر مطبع نظامی کو ہبہ کر دیا تھا۔

اس کتاب کا ترجمہ موصوف نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں کیا تھا بعد میں اہلِ علم کو دکھایا انھوں نے دیکھ کر اس امر کا اعتراف کیا کہ یہ ترجمہ بلاشبہ عوام کے لئے مفید ہے اگر اس میں ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی قرآن و حدیث سے بیان کر دی جائے تو اس کی افادیت بہت بڑھ جائے اور عوام و خواص دونوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ یہ رائے چونکہ نہایت صائب تھی آپ نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد حیدر آباد دکن میں اس کمی کو بھی پورا کر دیا جس نے اس کتاب کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے بار بار چھپی اور بہت مقبول ہوئی۔

اس کتاب کے ترجمہ کی کیفیت آپ کے والد مولوی مسیح الزماں نے نور الہدایہ کے آخر میں اس طرح لکھی ہے:۔

"کتاب نور الہدایہ میں بفحوائے مضمونِ فیض مشحون آیۂ شریفہ واما بنعمۃ ربک فحدث،

(اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر) شمہ احوال برخوردار نور الابصار وحید الزماں مؤلف کتاب کا بامید امداد و دعا و مرحمت کریمانہ کے عرض گذار ہے کہ ایام طفولیت سے حق تعالیٰ نے برخوردار ممدوح کو لہو و لعب سے بچا کر رغبت تحصیل علوم عطا فرمائی۔ بارہویں برس بعد تحصیل کتب صرف و نحو کے شرح وقایہ پڑھنا شروع کیا اور براہ ذہانت طبع جس قدر پڑھا ترجمہ اس کا روزمرہ زبان اردو میں لکھکر مرتب کیا۔ بعض علمائے حق پرست نے اس کو دیکھ کر ہدایت وارشاد فرمایا کہ یہ ترجمہ مثل اور رسائل اردو کے عام فہم ہے نہ (کہ) مفید خواص البتہ اگر ہر مسئلہ اس کتاب کا مدلل باحادیث و اسناد معتبرہ ہو سکتا تو ہر خاص و عام کو مطلوب بلکہ اکثر علمائے عصر اور فقہائے دہر کو بدل محبوب و مرغوب ہوتا۔ ہر چند کہ اُس ایام میں رغبت عاجز میں بوجہ تلف ہو جانے چھاپہ خانے ذاتی اور تمام جائداد کثیرہ تجارت اور ہزارہا کتب اقسام مختلفہ چھاپہ و قلمی کے صدمات کثیرہ اور ہجوم و آلام سے زندگی عیال و اطفال اس حقیر کی دشوار تھی لیکن توجہ دلی و اُستادانِ شفیق سے حق تعالیٰ نے موصی الیہ کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ چند عرصے میں اکثر کتب احادیث شریف پڑھ کر لکھنا اس کتاب کا پندرہویں برس کی عمر میں شروع کیا قریب ربع کے باقی رہا تھا کہ ۱۲۸۳ھ میں حسب الطلب عاجز کے ترک وطن و دیار شہر حیدر آباد دکن میں اکثر اتفاق سکونت ہوا چند ماہ بوجہ نہ میسر ہونے کتب ضروریہ کے تکمیل میں توقف رہا۔ من بعد ایک نسخہ کتاب فتح القدیر کا جناب مولانا و مقتدانا سیدی میر اشرف علی صاحب دام فیوضہم نے عنایت فرمایا کہ باعث تکمیل کتاب ہوا اور سبب چھپنے اور رواج پانے کتاب کا یہ ہوا کہ جب سے بتوجہ عنایت معتمد عدالت سرکار فیض آثار نواب معلی القاب ملک اقتدار مختار الملک بہادر دام اللہ سے برخوردار مذکور زمرۂ ملازمین میں شامل ہوا، چھپنا اس کا جمیع حوائج ضروریہ انسانی پر مقدم جان کر تمام ماہوار ذاتی اپنی فراہم کر کے پانچ سو نسخے مطبع عالی نظامی واقع کانپور میں چھپوا کر ہدیۃً جابجا ملکوں میں واسطے ملاحظے بعض اکابر دیندار اور بزرگانِ عالی وقار کے بذریعہ ڈاک روانہ کئے۔ توقع مرحمت بزرگانہ سے یہ ہے کہ جس مقام پر غلطی اور نقصان نظر آئے اصلاح دیکر اطلاع فرمائیں حسبۃً للہ توجہ دلی سے امداد فرمائیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ اپنی قدرت کاملہ سے استطاعت و سامان تکمیل بقیہ تینوں جلدوں شرح وقایہ اور ترویج کتب دینیہ بہ نیت ثواب اُخروی بوسیلۂ ہمم عالیہ بندگان فیض رسان اپنے کے عطا فرماوے[1]۔"

---

[1] نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۴ھ ج ۱ ص ۲۴۷-۱۲

نور الہدایہ میں پہلے عربی متن کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ کیا ہے پھر قرآن اور حدیث سے ہر مسئلہ کی دلیل لکھی ہے نیز زیر بحث مسئلہ میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تخریج بھی کی ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک نہایت مبسوط مقدمہ ہے جس میں وجہ تالیف ہے پھر کتاب کے علمی پایہ اور اس کے محاسن اور فوائد کا ذکر ہے پھر حدیث کی تعریف اور اس کے اقسام کو بیان کیا ہے پھر مؤلفین صحاح ستہ کے حالات لکھے ہیں بعد میں تقلید ضروری کیوں ہے اس پر نہایت جامع بحث کی اور مخالفین تقلید کی جانب سے تقلید پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان کے جوابات دیئے ہیں پھر مصطلحات فقہیہ کو لکھا ہے:۔

مولانا نے شرح الوقایہ کی یہ شرح غیر مقلدین کی اس شورش کی وجہ سے کی تھی جو انھوں نے یہ کہہ کر برپا کر رکھی تھی کہ احناف کے تمام مسائل قیاس پر مبنی اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں، اس کتاب میں اہل حدیث کے انہی اعتراضات کا ایک ایک کر کے تار و پود بکھیرا اور نہایت مدلل جوابات دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز مقدمہ میں ان امور کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ مگر یہ کام کسی پرخاش کی بنا پر نہیں کیا بلکہ لوجہ اللہ دین ہی کی خاطر کیا ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"مقصود اصلی اس کتاب سے فائدہ خلق اللہ ہے نہ کسی کا رد اور نہ کسی کا اظہار خطا منظور ہے تو اب بندہ عاصی پرمعاصی فقیر حقیر ننگ خاندان محتاج رحمت ایزد منان محمد وحید الزمان ولد مولوی مسیح الزماں لکھنوی فاروقی حنفی مؤلف اس کا ان صاحبوں کی خدمت میں جو اس کتاب کے مطالعے سے مسرور اور محظوظ ہوں عرض رسا ہے کہ جس جگہ پر از راہ خطائے انسانی کے کسی قسم کی لغزش دیکھیں تو پردۂ عفو سے چھپا دیں اور مجھ گنہگار اور میرے والدین اور تمامی اعزہ اور اقارب اور عامہ مسلمین کے واسطے دعائے خیر کریں[1]"۔

مولانا وحید الزماں کے اسی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ یہ کتاب نور الہدایہ بڑی مقبول ہوئی پہلی مرتبہ مسیح الزماںؒ نے مطبع نظامی کانپور سے چھپوائی تھی پھر دوسری مرتبہ حاجی عبدالرحمن خاں شاکر نے اپنے مطبع نظامی سے ۱۲۹۳ھ میں شائع کی مگر اس کے تمام نسخے فروخت ہو گئے۔ ۱۳۰۲ھ میں موصوف نے مطبع مذکور سے تیسری بار شائع کی اور اس مرتبہ بھی سارے نسخے جلد ہی بک گئے تو مطبع رزاقی کے مالک محمد سعید اور عبدالصمد نے اپنے جد امجد حاجی عبدالرحمن خاں سے اجازت لے کر مطبع مذکور سے ۱۳۱۵ھ میں چوتھی بار مزید حواشی کے ساتھ شائع کی چنانچہ خاتمۃ الکتاب پر ناشر کا حسب ذیل بیان اسی امر کا

---

[1] نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ مطبع رزاقی کانپور ۱۳۱۵ھ ۱۲۔

شاہد ہے، لکھتے ہیں:-

"چوتھی مرتبہ یہ نسخہ نہایت عمدہ طیار ہوا اور اس کی تصحیح و درستی میں محنت و مشقت کے ساتھ ایک زمانہ گذرا اور اصل نسخہ عربی کی عبارت سے اس کے تمام مسائل اور دلائل ملائے اور جا بجا عبارات گھٹانے بڑھانے اور جدید حواشی چڑھانے میں صرف زر کثیر ہوا اور نہایت خرچہ پڑا[1]"

پھر اس کے بعد ۱۳۶۱ھ میں مطبع مجیدی کانپور سے محمد شفیع ابن محمد سعید نے نہایت اہتمام سے شائع کی جیسا کہ خاتمۃ الکتاب سے ظاہر ہے:-

"باہتمام حاجی محمد شفیع خلف الرشید جناب حاجی محمد سعید صاحب مرحوم و مغفور بتصحیح تمام مطبع مجیدی واقع کانپور میں بماہ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء چھپ کر نذر شائقین ہوئی"

(۳) احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور بڑی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے ۱۲۸۴ھ میں مطبع علوی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ اس رسالہ میں علم العقائد کی مشہور کتاب شرح العقائد النسفیہ کی حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کتاب مذکور میں جو حدیثیں زیر بحث آئی ہیں وہ حدیث کی کن کن کتابوں میں ہیں اور کہاں کہاں ہیں۔

موصوف نے یہ رسالہ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۲۸۲ھ میں کانپور میں تالیف کیا تھا چنانچہ خاتمۃ الکتاب میں لکھتے ہیں:-

"نحمد اللہ العظیم ونصلی علی رسولہ الکریم علی ما وفقنی لاتمام ھذا الکتاب المسمی باحسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد للامام العلامہ سعد الملۃ والدین التفتازانی یوم الخمیس وقت الظہر الرابع من شھر ذی القعدۃ سنۃ ۱۲۸۲ھ ومائتین و اثنین وثمانین من ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بلدۃ کانفور صانھا اللہ عن الفساد والشرور وانا العبد العاصی المحتاج الی رحمۃ اللہ المنان المدعو بوحید الزمان ارجو ممن ینظر فی ھذا الکتاب بعین الصواب ان ید عولی بدعاء المستجاب"

اس رسالہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تالیف رسالہ کے زمانے میں ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کی کتاب "فرائد القلائد وغرر الفوائد علی شرح العقائد" موصوف کے پیش نظر رہی ہے اور آپ نے

---

[1] نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ مطبع رزاقی ۱۳۱۵ھ ۱۲

اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے جیسا کہ حدیث الھمنی ربی الخ پر لکھتے ہیں:-

اقول لم اجد ھذا الحدیث وترکہ علی القاری فی تخریجہ لھذا الکتاب۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی، ملا علی قاری نے اپنی کتاب (فرائد القلائد) میں اس حدیث کی تخریج نہیں کی۔

جن حدیثوں کی تخریج ملا علی قاری سے رہ گئی تھی آپ نے اس قسم کی بیشتر احادیث کی نشاندہی کی اور بتایا کہ یہ حدیث حدیث کی فلاں فلاں کتاب میں ہے چنانچہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:-

قال روی ابن عمرؓ ان الکبائر تسعۃ . . . .

شارح عقائد النسفیہ نے بروایت حضرت ابن عمرؓ لکھا ہے کہ کبیرہ گناہ ۹ نو ہیں۔ . . . .

قال وزاد ابو ھریرۃ اکل الربوا اقول قد ترک تخریجہ علی القاری فی فرائد القلائد فلعلہ لم یرہ اوکان ساقطاً فی نسختہ اخرج الشیخان وغیرھما عن ابی ھریرۃ۔[1]

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی روایت میں اکل الربوا (سود کھانے) کا اور اضافہ ہے، میں کہتا ہوں ملا علی قاری نے اپنی کتاب فرائد القلائد میں اس کی تخریج نہیں کی، ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی نظر سے رہ گئی ہو یا ان کے پیش نظر نسخہ میں اس حدیث کا تذکرہ نہ ہو، اس روایت کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

مولانا وحید الزماں نے اس رسالہ میں احادیث کی تخریج ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اگر درمیانِ سند میں کوئی متکلم فیہ رجال آگئے ہیں تو ان پر کلام کیا ہے چنانچہ حدیث "اکرموا اصحابی فانھم خیارکم الحدیث" پر لکھتے ہیں:-

اقول رواہ النسائی عن عمرؓ بطولہ واوردہ صاحب المشکوٰۃ ولم یطلع علی مخرجہ واسنادہ صحیح ورجالہ صحیح الا ابراھیم بن الحسن الخثعمی فانہ لم یخرج لہ الشیخان وھو ثقۃ ثبت ذکرہ الجزری وقال القاری وردمعناہ فی عدۃ احادیث وھو

میں کہتا ہوں یہ پوری حدیث امام نسائی نے بروایت حضرت عمرؓ نقل کی ہے، صاحب مشکوٰۃ نے بھی مشکوٰۃ میں اس کو درج کیا مگر انھیں بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے، اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی بھی ثقہ ہیں بس ایک ابراہیم بن الحسن خثعمی ہی ایسے شخص ہیں جن سے شیخین نے روایت نہیں کی مگر وہ بھی ثقہ اور معتبر ہیں جیسا کہ علامہ جزری نے لکھا ہے ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ مفہوم متعدد احادیث میں بیان کیا گیا ہے

[1] احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد مطبع علوی ۱۲۸۳ھ ص ۸-۱۲

مفهوم الحدیث السابق ولم یبین تخرجہ[۱]۔	حدیث ماسبق کا مفہوم بھی یہی ہے مگر انھیں کوئی روایت ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی چنانچہ اس کی تخریج بیان نہیں کی۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے زمانے میں حدیث اور رجال کی مستند کتابیں موصوف کے پیش نظر رہی ہیں۔

(۴) اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس میں موصوف نے اصول فقہ کی مشہور درسی کتاب نور الانوار (جو اورنگ زیب کے استاد احمد المعروف بہ ملا جیون (المتوفی ۱۱۳۰ھ) کی تالیف ہے) کی حدیثوں کی تخریج کی ہے۔ یہ بڑی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوگئی ہے۔

یہ کتاب مولانا وحید الزماں نے ۱۲۸۶ھ میں اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد حیدرآباد دکن میں تالیف کی تھی۔ اس کتاب کی تالیف سے مقصد اہل حدیث کے اس مشہور اعتراض کی تردید کرنا تھا کہ جس طرح فقہی مسائل قیاس پر مبنی ہیں اسی طرح اصول فقہ کا دارومدار بھی محض قیاس پر ہے کیونکہ جن حدیثوں پر ان اصول کی بنیاد قائم ہے وہ ضعیف ہیں یا ان کا بیشتر حصہ موضوع اور بے اصل ہے۔ مولانا کا اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ تو ایک مدت سے تھا مگر کام کی اہمیت زبانِ قلم کو روکتی رہی آخر ہمت کرکے یہ رسالہ لکھا اور مخالفین کے اس اعتراض کا دنداں شکن جواب دیا اور یہ ثابت کردیا کہ جن حدیثوں پر ان اصول کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ کس پایہ کی ہیں اور حدیث کی کن کن معتبر اور مستند کتابوں میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ آغاز کتاب میں لکھتے ہیں :-

"الطاعنون علی اصول الحنفیۃ الحنیفیۃ البیضاء لقصور نظرھم و فتور بصرھم وذبول درکھم وذھول فھمھم زاعمون ان لیس لھا اصل وشاھد ومؤید وعاضد، وقد جعلوا الصحیحۃ منھا فاسدۃ و	جو لوگ حنفیہ کے نہایت درخشاں اصول، اصول فقہ پر اپنی کوتاہ اندیشی کم مایگی کج فہمی اور بے بصیرتی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان اصول کی نہ کوئی اصل ہے نہ کوئی اساس اور نہ کوئی نظیر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور انھوں نے ایک صحیح چیز کو غلط اور ایک سچی بات کو جھوٹ سمجھا ہے۔ ایک زمانہ سے

[۱] احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد مطبع علوی ۱۲۸۴ھ ص ۱۴-۱۲

المستقيمة منها كاسدة وقد بما كان يختلج في قلبي مع قلة عدتي و نقص شدتي ان اسبح في ذلك البحر الذي لاقعر له وانحت ذلك الجبل الذي لاوعر له واسعى في احرازه ما وجدت في كتب الحفاظ الماهرين وافر ازما الفيت في اسفار الذاكرين لاجمع له تخريجا يظهر الاصول ويبرز النقول ترفع عن خرائده النقاب وتزيل عن فرائده الحجاب خاليا عن الحشو والزوائد عاريا عن المغلقات والمعاقد حاويا على المهمات و الفوائد جامعا للمتعلقات و العوائد"[1]

میرے دل میں یہ اعتراض کھٹکتا تھا، میں نے اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی کے باوجود ایک ایسے سمندر میں تیرنے کا ارادہ کیا جس کی تھاہ نہیں اور ایک ایسے پہاڑ کو تراشنے کا عزم کیا جس کی بلندی اور رفعت کا کچھ ٹھکانہ نہیں، چنانچہ میں نے ان باتوں کو جمع کرنا شروع کیا جو میں نے اس فن کے ماہرین کی کتابوں میں پائیں اور اس فن کے حفاظ کی کتابوں میں نظر سے گذریں تاکہ میں اس کتاب کی احادیث کی تخریجات کو یکجا کروں جس سے اس کی اساس کی حقیقت روشن ہو جائے اس سے متعلق اور تمام حدیثیں منظر عام پر آجائیں، ان کے چہروں سے نقاب اُٹھ جائے (یعنی ان کا پتہ مل جائے کہ وہ کہاں کہاں ہیں اور کن کن کتابوں میں ہیں) ان کے موتیوں سے پردہ اٹھ جائے (یعنی ان کی سندیں بھی معلوم ہو جائیں) تخریجات حشو و زوائد سے پاک ہوں، الجھنوں اور پیچیدگیوں سے مبرا ہوں، اہم فوائد اور مہمات امور کی جامع ہوں، نیز تمام متعلقات اور نفائس پر حاوی ہوں۔

❊

کتاب مذکور کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے وقت حسب ذیل کتابیں موصوف کے پیش نظر تھیں :۔

(۱) شرح مختصر المنار مولفہ ملا علی قاری المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ
(۲) شرح المنار از ابن الملک المتوفی سنہ ۸۸۵ھ
(۳) المقاصد الحسنہ از علامہ سخاوی شمس الدین محمد المتوفی سنہ ۹۰۲ھ
(۴) تعلیقات ازالۃ الخفا از مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی

اس کتاب کی تالیف کے وقت تک موصوف پر حنفیت کا رنگ بہت شوخ تھا۔

❊ ❊

❊

[1] اشراق الابصار ص ۳ عبارت مذکورۂ بالا سے موصوف کے عربی انداز نگارش پر بھی روشنی پڑتی ہے ۱۲

(۵) فتاوای بےنظیر در نفی مثل آنحضرت بشیر و نذیر

...... یہ مشاہیر اہل علم کے فتووں کا ایک مجموعہ ہے اور متوسط تقطیع کے ۱۰۶ اصفحات پر مشتمل ہے۔ محمد یعقوب منصرم مطبع نظامی کے زیر اہتمام ۱۲۹۰ھ میں مطبع اسدی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

یہ فتوے ان لوگوں کی تردید میں لکھے گئے ہیں جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر "ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم و عیسی کعیسکم ونبی کنبیکم" سے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی چھ مثیل اور نظیر ہیں، اس رسالہ میں مفتی سعد اللہ رامپوری کے فتوے کے بعد اردو میں مولانا وحید الزماں کا فتویٰ ہے جو کم و بیش ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد قاری عبد الرحمن پانی پتی کا فتویٰ فارسی میں ہے اور اسی پر رسالہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ فتویٰ اختصار کے باوجود نہایت مدلل اور بڑا جامع ہے۔

(۶) تشریح الحج والزیارہ

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے اور حج کے ضروری مسائل اور روضۂ اقدس کی زیارت کے فضائل پر مشتمل ہے۔ متوسط تقطیع کے ۵۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں قاضی محمد ابراہیم کے زیر اہتمام بمبئی سے چھپا اور مفت تقسیم ہوا۔

۱۲۹۲ھ میں جب کہ مولانا وحید الزماں سررشتہ دار اضلاع سرکار عالی تھے یہ رسالہ اپنے والد ماجد مولانا مسیح الزماں کی فرمائش پر اردو میں لکھا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا وحید الزماں کے چھوٹے بھائی مولوی فرید الزماں اور سعید الزماں حج کرنے جا رہے تھے۔ شیخ مسیح الزماں نے آپ سے کہا کہ ایک ایسا رسالہ لکھو جو حج کے ضروری مسائل پر حاوی ہو اور اس میں تمام مسائل نقشہ کی صورت میں درج ہوں تاکہ بیک نظر تمام مسائل کو دیکھ لیا جائے۔ موصوف نے حسب ارشاد مکمل کر کے پیش کیا۔ شیخ مسیح الزماں نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ زیادہ طویل ہو گیا مختصر ہونا چاہئے۔ آپ نے اس کو مختصر کیا جیسا کہ آغاز رسالہ میں فرماتے ہیں:۔

"محمد وحید الزماں ...... عرض کرتا ہے کہ سن حالی یعنی ۱۲۹۲ھ میں ...... جب قصد برادران عزیز محمد فرید الزماں اور سعید الزماں واسطے حج اور زیارت کے مصمم ہوا تو جناب والدی مولوی محمد مسیح الزماں صاحب مدظلہ نے عاصی سے ارشاد کیا کہ ایک نقشہ مختصر جس میں ترکیب بجاآوری قران و تمتع اور افراد یعنی اقسام ثلثہ حج اور فرائض و واجبات و سنن حج اور جنایات

اس طرح مذکور ہوں کہ ہر شخص اس کے موافق عمل اور بآسانی اس کے مضامین پر مطلع ہو سکے، بجائے
تو عامۂ مسلمین علی الخصوص برادران مذکورین کو نہایت مفید ہوگا اور تا قیام قیامت موجب حصول
اجر اور تضاعف حسنات رہے گا، چونکہ تعمیل ارشاد واجب اور ضروری تھی اور زمانہ حال میں کوئی
نقشہ مفید اس قسم کا نظر سے نہیں گذرا تھا، اس لئے فقیر نے غرۂ رمضان المبارک سنہ مذکورہ سے
شروع کیا اس نقشہ کا اس طور سے کہ روزانہ ایک ساعت تک لکھتا تھا جب ساتویں تاریخ ماہ
مذکور کے بخیر اتمام کو پہنچا تو بوجہ طوالت نقشہ کے یہ خیال ہوا کہ لف و نشر میں ضائع اور تلف
نہ ہو جائے اس لئے دوبارہ ارشاد ہوا کہ یہ رسالہ مختصر کر دیا جائے تا ناظرین بسہولت اس کو
دیکھ سکیں اور حفاظت اس کی اچھی طرح ہو سکے لہذا ایک مقدمہ مفید نقشہ مذکورہ پر زائد کر کے ایک
رسالہ مختصر مرتب کر دیا اور نام اس کا "تشریح الحج والزیارہ" رکھا گیا، جو صاحب اس سے متمتع
ہوویں وہ دعائے خیر سے محروم نہ فرماویں اور جو کچھ غلطی پاویں تو سہو و نسیان مولف یا تحریف
طبع پر محمول کر کے بشرط استعداد اصلاح فرماویں ورنہ عفو کریں[1]۔"

خاتمہ پر یہ عبارت ہے:۔

"تشریح الحج والزیارہ از وحید الزماں سررشتہ دار اصلاع سرکار عالی ملک حیدر آباد دکن حسب
درخواست و فرمائش مخدومی مولوی محمد مسیح الزماں صاحب مہتمم دار الطبع سرکار عالی براہ فوائد مسلماناں
بتاریخ ۹ ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء در شہر بمبئی باہتمام قاضی محمد ابراہیم طبع گردید۔"

(۷) الحاشیۃ الوحیدیہ علی الحاشیۃ الزاہدیۃ

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور میرزاہد امور عامہ پر موصوف کی تعلیقات ہیں جو بڑی تقطیع کے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہیں، یہ تعلیقات اور حواشی شرح المواقف کے ساتھ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۹ء میں مطبع علوی لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہو گئے ہیں۔

مولانا وحید الزماں نے جب محمد مہدی حسین کو میر زاہد پڑھایا تو ان کے اصرار سے مجبور ہو کر اس پر حواشی لکھے جس کا نام "الحاشیۃ الوحیدیہ" رکھا اور نواب رامپور کے نام معنون کیا جیسا کہ ابتدائے کتاب میں لکھتے ہیں:۔

امابعد فیقول العبد العاجز المفتقر الی رحمۃ المنان محمد وحید الزمان...	امابعد بندۂ عاجز رحمۃ المنان کا طالب محمد وحید الزماں عرض کرتا ہے کہ جب میرے پاس

[1] تشریح الحج والزیارہ۔ ص ۲ و ۳۔

لما اشتغل عندی المتوقد الزکی والفطن	مولوی محمد مہدی حسین نے جو نہایت تیز اور ذہین
الیلمعی البری عن العیب الشین المولوی	طالب علم ہیں شرح المواقف پر حاشیہ میرزاہد پڑھنا
محمد مهدی حسین .... لقرأة شرح	شروع کیا اور یہ درخواست کی کہ میں میرزاہد کے
المواقف حاشیة السید الزاهد علیها	حاشیہ پر مستقل تعلیقات لکھوں جو اس کے مغلق
التمس منی ان اولف علی الحاشیة	مقامات کو کھولدے اور اس کے مطالب کو واضح
الزاهدیة تعلیقا مستقلا یوضح مطالبه	کردے، میں اس اہم اور عظیم الشان کام سے کتراتا
یظهر مآربه .... وکنت اصفح عن ذلك	رہا اس لئے کہ زمانہ کے ہاتھوں بعض مشاغل میں
الامر العظیم والخطب الجسیم لانی کنت	الجھا ہوا تھا۔ طلبہ کے پڑھانے میں مصروف اور
مبتلیٰ فی لواحق الزمان ..... مع انهماکی	محکمہ کے کاموں میں ایسا مشغول تھا کہ نہ کبھی فرصت
بتدریس الطلبة واشتغالی فی امور المحکمة	ملتی اور نہ کبھی فارغ ہوتا تھا۔ میں نے عذر بھی کئے
حتی لا اجد ساعة خالیة ولا انا خاویة	مگر انھوں نے کوئی عذر قبول نہ کیا اور مجھ سے پیہم
الا انه لم یترك لی عذرا واستدعی منی مرة	اصرار کرتے رہے آخر مجھے سوچ کر اپنی مصروف
بعد اخری فتاملت فی استخراج وقت من	اوقات میں سے اس کی تعلیقات لکھنے کے لئے
الاوقات لتالیف تلك التعلیقات ...	وقت فارغ کرنا پڑا اور جو کچھ مستحضر تھا لکھدیا
علی حسب ما کان لی مستحضرا فی الحال	میں ان تعلیقات اور حواشی کو عدل وانصاف
فخدمت بها حضرة رافع اعلام العدل	کے علم بردار نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور
... النواب کلب علی خان بهادر والی	کے نام معنون کرتا ہوں ع
رامبور ... فان وقع فی حیز القبول	گر قبول افتد زہے عز و شرف
فهو غایة المأمول ونهایة المسئول۔	

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کو فن معقولات میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا۔

مجھ سے مولانا ابوسعید شرف الدین اطال اللہ بقاءہم فرماتے تھے کہ ہم نے "الحاشیۃ الوحیدیہ" اپنے استاد مولانا بشیر حسن سہسوانی سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا وہ فرماتے تھے کہ یہ حاشیہ خوب لکھا ہے۔

(۸) الانتہا فی الاستواء یہ عربی زبان میں استوا علی العرش کی بحث میں ایک نہایت جامع اور مبسوط کتاب ہے اور چھپ گئی ہے اور ۱۲۹۳ھ میں مدراس اور بمبئی کے اطراف میں مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ہوگیا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی فرید الزماں نے نہایت

اصرار سے اس موضوع پر آپ سے ایک ضخیم کتاب لکھوائی اسی کا نام الانتہا فی الاستواء ہے۔
یہ کتاب مولف نے زرِ ذاتی سے طبع کرا کر تقسیم کرائی تھی۔ ایک مدت کے بعد مدراس کے کسی عالم نے اس کا رد لکھا جس کا جواب مولانا وحید الزماں کے استاد شیخ ابراہیم شرقی نے دیا جو مصر سے چھپ کر شائع ہوا مگر اب نہیں ملتا۔

(۹) قواعدِ محمدی مولانا نے یہ حروف شناسی اور بچوں کی ابتدائی تعلیم کا ایک جدید قاعدہ تیار کیا تھا جس میں مفردات سے مرکبات بنانے کا طریقہ بتایا گیا اور اسلامی تعلیمات کی بنیادی چیزوں کو سمجھایا گیا تھا، یہ قاعدہ بھی طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے۔

مولانا جب ۱۲۹۷ھ ہجری میں لکھنؤ گئے تو دیکھا کہ پڑھے لکھے لڑکوں کے عقائد بگڑتے جا رہے ہیں اور ان کو اسلام کی بنیادی باتوں کا بھی علم نہیں ہوتا تو بڑا رنج ہوا کیونکہ جن باتوں کا دین سے ہونا بدیہی ہے اس کا علم ہر شخص کو ہونا ضروری ہے اس سے غفلت روا نہیں۔ انہی ایام میں آپ نے ایک بچہ سے جو قرآن ختم کر چکا تھا یہ سوال کیا کہ قرآن کس کا کلام ہے اور کس پر اترا ہے وہ بولا میں نہیں جانتا، مولویوں اور پیروں پر اترا ہوگا۔ یہ سن کر بڑا صدمہ ہوا وہاں کے مقامی بزرگوں کی زبانی بھی اسی قسم کے متعدد واقعات سنے جس سے بڑا دکھ ہوا اور اسی وقت یہ رسالہ لکھا جس میں پہلے مفردات اور پھر مرکبات کو بیان کیا ہے۔ مرکبات میں قرآن مجید کی وہ آیتیں لکھی ہیں جن میں ایمان کے مبادی اور اصول کا ذکر ہے پھر نماز کی دعاؤں اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جس سے ہر بچہ کو اسلام کے بنیادی عقائد کا پورا علم ہو جاتا ہے۔

یہ رسالہ مولانا نے اپنے ذاتی روپیہ سے چھپوا کر حیدر آباد دکن اور لکھنؤ وغیرہ میں تقسیم کرایا تھا کچھ کاپیاں مکہ معظمہ بھی بھیجی تھیں۔

(۱۰) عقیدۂ اہلِ سنت یہ اردو میں استواء علی العرش کی بحث پر ایک مختصر رسالہ ہے جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۰۰ھ میں محمد شریف کے زیرِ اہتمام مطبع بحر الاسلام بنگلور سے شائع ہوا۔

مولانا جب بنگلور تشریف لے گئے اور احباب کی فرمائش سے استواء علی العرش پر تقریر کی تو بعض احباب نے اصرار کیا کہ اس کو قلمبند فرمائیں آپ نے ایک ہی مجلس میں دو گھنٹے کے اندر مذکورۂ بالا رسالہ قلم بند کر دیا اور پھر احباب نے شائع کر دیا جیسا کہ ناشر کے بیان سے ظاہر ہے۔

"جب مولانا بنگلور تشریف فرما ہوئے اور ملاقات سے جمیع مستفیضوں کو مشرف فرمایا اور مضمون

استواء کو مکرر سہ کرر اپنے وعظ میں بخوبی بیان فرمایا تو بعض ہوا خواہان سنت نے آپ سے درخواست کی کہ اس مضمون کو صاف صاف اردو میں تحریر فرمائیں تو مولانا ممدوح نے دو گھنٹوں کے عرصہ میں اس تمام مضمون کو لکھدیا ناظرین سے امید ہے کہ بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف نے رسالۂ مذکور میں اپنے مسلک اہل حدیث کو پیش کیا ہے اور اسی کے دلائل کو بیان کیا ہے متاخرین متکلمین کے مسلک تاویل پر نکتہ چینی کی ہے، زبان سادہ اور عام فہم ہے، رسالہ معلومات آفریں ہے درحقیقت یہ رسالہ الانتہار فی الاستوار کا خلاصہ ہے۔

(۱۱) کشف المغطا عن الموطا

یہ حدیث کی مشہور کتاب موطأ امام مالک کا اردو ترجمہ اور مختصر شرح ہے متوسط تقیطیع کے ۶۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار ۱۲۹۶ھ میں مطبع مرتضوی دہلی میں چھپی تھی پھر متعدد مطابع سے شائع ہوئی اب اصح المطابع کراچی نے جدید طرز پر شائع کی ہے۔

مولانا وحید الزماں نے ۱۲۹۴ھ میں جب والد صاحب کی معیت میں حجاز کے قیام کا ارادہ کیا اور حیدر آباد کو خیر باد کہا تو آپ کے بڑے بھائی بدیع الزماں کے ذریعہ نواب صدیق حسن خاں کو بھی اس کا علم ہوا نواب صاحب مرحوم نہایت زیرک اور مردم شناس انسان تھے، ادھر مولانا کا بدیع الزماں صاحب کی صحبت سے عدم تقلید کی طرف میلان ہو گیا تھا۔ نواب صاحب نے مولانا کے ترجمہ کی صلاحیت کے پیش نظر صحاح ستہ کے ترجمہ کا کام آپ کے سپرد کیا اور لکھ بھیجا کہ جب تک حجاز میں قیام رہے گا پچاس روپے ماہوار برابر پہنچتے رہیں گے۔

مولانا بدیع الزماں نے اسے پہلے ہی منظور کر لیا تھا آپ نے بھی یہ پیشکش قبول کر لی اس طرح صحاح ستہ کے تراجم کا آغاز ہوا اور یہ پہلا ترجمہ ہے جو سرزمین حجاز میں لکھا گیا۔[1]

---

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نواب صدیق حسن خاں سے مولانا کے والد شیخ مسیح الزماں کے دیرینہ تعلقات تھے آپ نواب صدیق حسن خاں کے بڑے قدردان اور ان کی خداداد صلاحیتوں کے بیحد معترف تھے بلکہ ان بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے نواب صدیق حسن خاں کو تحصیل علم کے بعد نواب ہونے سے قبل آپ کی خداداد صلاحیتوں سے ملک کو روشناس کرایا اور عامۃ المسلمین کی اصلاح کے لئے رسالہ قول الحق لکھوایا جس کے متعلق علی حسن خاں نے مآثر صدیقی (موسوم بہ سیرت والاجاہی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۳۴۳ھ ج ۴ ص ۱۵ نمبر کتاب ۱۶۳) میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ قلمی ہے جو شائع نہیں ہوا مگر موصوف کا یہ خیال صحیح نہیں، یہ رسالہ شیخ مسیح الزماں نے اپنے مطبع مسیحائی کانپور میں آغاز غدر سے قبل ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

شیخ مسیح الزماں رسالہ قول الحق کے سرورق پر اس کی غرض وغایت لکھنے کے بعد نواب صدیق حسن خاں کے متعلق رقمطراز ہیں:-

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ترجمہ کے سلسلہ میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے جو ہدایات دی تھیں مولانا نے انہی پر عمل کیا اور وہ حسب ذیل تھیں، فرماتے ہیں :-

"نواب صاحب ممدوح نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ترجمہ صحاح اس طرح سے ہو کہ اسانید و ذکر رُواۃ بالکل حذف کر دیئے جائیں کیونکہ عوام کو اس سے کچھ فائدہ متصور نہیں ہے اور خواص کو ممکن ہے کہ اگر ضرورت کسی سند کے دیکھنے کی واقع ہو تو اصل کتاب میں ملاحظہ کر لیں اور لفظ حدیث پورا ذکر کر کے ترجمہ عام فہم اس کا کیا جائے بعد اس کے کچھ ضروری فوائد جن سے حدیث کے مطلب کا حل ہو جائے بڑھا دیئے جائیں لیکن حتی المقدور اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ عبارت طویل نہ ہو ورنہ کتاب ایک دفتر عظیم ہو جائے گی۔ اور مذاہب مجتہدین اور اختلافِ علما وغیرہ بھی چھوڑ دیئے جائیں اِلّا ماشاء اللہ۔ صرف مضمونِ حدیث بیان کر دیا جائے، الحمد للہ کہ فقیر نے حسب الارشاد ترجمہ اس کتاب کا شروع کیا پہلے عبارت حدیث کی بحذف اسناد لکھتا ہوں پھر اس کا ترجمہ اہلِ لسان کے موافق عام فہم بیان کرتا ہوں پھر اگر کچھ ضرورت حل مطلب کی واقع ہوتی ہے تو **ف** لکھ کر حل مطلب اس حدیث کا کر دیتا ہوں، اگر کسی مقام پر خود صاحب کتاب نے حل مطلب کیا ہے یا کچھ مضمون مفید بڑھایا

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

"چنانچہ حسب استدعائے فقیر مشفقی مولوی صدیق حسن صاحب قنوجی سلمہ اللہ تعالیٰ نے جلد تر یہ رسالہ مرتب فرما کر فقیر کو ممنون اور مشکور کیا۔"

نواب صدیق حسن خاں بھی شیخ مسیح الزماں کی مخلصانہ محبت کو بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ کی دینداری کی تعریف کرتے تھے ہم یہاں رسالہ قول الحق کی ابتدائی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے نواب صدیق حسن خاں کے جذبۂ خدمت خلق، دین کے درد، تصنیفی قابلیت اور ابتدائی انداز نگارش پر روشنی پڑتی ہے اور دونوں کے مخلصانہ تعلقات کا پتہ چلتا ہے، لکھتے ہیں :-

"لدینا سب حمد نا سلطانہ، فاکتفینا باسمہ سبحانہ، اما بعد ایں فصلے چند است دربیان تغیر عالم و عالم و ما یتصل بذلک کہ زبان وقت ایں مسکین ابن مسکین ختم اللہ لہ بالحسنی وجعل لہ لسان صدق فی الآخرین بداں ناطق است اولاً برائے اصلاح حال خودش وثانیاً بحکم الدین النصیحۃ جہت سود و بہبود اخوان صفا کہ توفیق خیر یافتہ اند وثالثاً جہت شمول در نوید طوبیٰ للغرباء الذین یصلحون ما افسد الناس بعدی من سنتی ورابعاً برائے صیانت نفس از وعید من سئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیمۃ بلجام من نار وخامساً جہت ایفائے عہد کہ جامع صفتی الایمان والایقان حبی فی اللہ ربی مولوی مسیح الزماں صانہم اللہ عما شانہم بودہ است امید کہ ایں عمل وسائر اعمال ایں غریب از تہمت سمعہ و ریاد دور بودہ محل استحسان اہل انصاف واصحاب دین شود و سہو و غلط بعذر الانسان محل النسیان درپردہ عفو و صفح مستور ماند واللہ حسبی وکفی فی الآخرۃ والاولیٰ۔"

تو وہاں صرف اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں"۔

کتاب کے شروع میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تذکرہ لکھا ہے پھر اپنی سند بیان کی اور اس کے بعد پھر موطا کا آغاز ہے۔ متنِ حدیث پر اعراب لگائے ہیں اور پھر ترجمہ کیا ہے ترجمہ عالمانہ، سلجھا ہوا اور سلیس ہے۔ البتہ کہیں کہیں جملوں کی ترتیب اور ساخت میں قدامت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ قدامت کا یہ رنگ تیسیر الباری کے سوا صحاح ستہ کے سب ہی ترجموں میں موجود ہے۔

کشف المغطا میں بیشتر فوائد زرقانی، مصفیٰ، محلیٰ، منتقی، تنویر الحوالک، نیل الاوطار اور اغاثۃ اللیفان سے ماخوذ ہیں جو اگرچہ مختصر ہیں مگر بہت مفید ہیں اور مولانا کے حسنِ انتخاب کا بیّن ثبوت ہیں۔

مولانا نے حدیث کے تراجم میں جن امور کا ہر جگہ لحاظ رکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ہر جگہ لفظی ترجمہ سے احتراز کیا اور ہمیشہ بامحاورہ ترجمہ کیا ہے جہاں بامحاورہ ترجمہ مشکل ہوتا ہے وہاں آزاد ترجمہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی لفظی ترجمہ بھی لکھ دیتے ہیں مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لا یمنع احدکم جارہ خشبۃ یغرزھا فی جدارہ ثم یقول ابو ھریرۃ مالی اراکم عنھا معرضین واللہ لارمین بھا بین اکتافکم۔	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ منع کرے کوئی تم میں سے اپنے ہمسایہ کو لکڑی گاڑنے سے اپنی دیوار میں پھر ابو ہریرہؓ کہتے تھے، کیا وجہ ہے کہ تم اس حدیث کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے، قسم خدا کی میں اس کو خوب مشہور کروں گا۔

یہ حاصل ترجمہ ہے لفظی یہ ہے۔ کیا ہے واسطے میرے کہ دیکھتا ہوں میں تم کو اس حدیث سے منھ پھیرتے ہو قسم خدا کی البتہ ڈالوں گا میں اس حدیث کو تمہارے کندھوں کے بیچ میں یعنی سنا سنا کر تم کو خوب تنگ کروں گا اور زبردستی اس پر عمل کراؤں گا[1]"۔

(۲) مولانا چونکہ ترجمہ بامحاورہ کرتے ہیں اس لئے کہیں کہیں عربی کے زائد جملہ کا ترجمہ نظر انداز کر دیتے ہیں ـــــ حسب ذیل مثال اسی امر کی شاہد ہے:۔

عن ابن شہاب انہ سأل عن الرجل یتکاری الدابۃ ثم یکریھا باکثر مما تکاریھا بہ فقال لا بأس بذلک[2]۔	ابن شہاب سے سوال ہوا کوئی شخص ایک جانور کو لے پھر دوسرے شخص کو اس سے زیادہ پر کرایہ کو دے انھوں نے کہا کچھ قباحت نہیں۔

[1] کشف المغطا ترجمہ موطا امام مالک، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۶۲۳ و ۶۲۴۔ [2] ایضاً ص ۵۸۴۔

اس میں مِمَّا نکار بِھا بہ کا ترجمہ جننے پر کہ اس نے خود اس کو کرایہ پر لیا تھا، نظرانداز کر دیا ہے کیونکہ ترجمہ میں اس جملہ کے ترجمہ کے بغیر عبارت کا پورا مفہوم ادا ہو گیا، اس لئے اس کی ضرورت نہ تھی، ایسے مقامات پر مولانا کے ترجمہ کا یہی انداز ہے۔

(۳) ترجمہ میں مصطلحات فقہیہ کی توضیح کرتے ہیں اسی طرح حدیث میں جن مواقع اور مقامات کا ذکر آتا ہے اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۴) ہندوستان کی مطبوعہ صحاح ستہ میں سے ترجمہ کے وقت جو کتاب پیش نظر ہوتی ہے اس کی عبارت میں اگر کوئی اختلاف ہوتا ہے تو اس کو بیان کرتے ہیں چنانچہ کتاب مذکورہ کے ترجمہ کرتے وقت مولانا کے پیش نظر موطا امام مالک کا وہ نسخہ تھا جو مطبع احمدی سے ۱۲۶۶ھ میں چھپا تھا اس مطبوعہ نسخہ کے متن حدیث میں اگر کوئی سقم نظر آتا یا اس میں اور موطا کے دیگر نسخوں میں کہیں اختلاف ہوتا تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

(۵) عنوانات کا ترجمہ بھی بامحاورہ حسب موقع اور مقام کرتے ہیں۔ اس میں لفظی ترجمہ کا ہرگز خیال نہیں رکھتے ہیں۔ جیسے "القضاء فی استھلاک العبد اللقطۃ۔ غلام لقطے (راستہ میں گری پڑی چیز) کو پا کر خرچ کر ڈالے تو کیا حکم ہے"۔ یہ ترجمہ محض اس لئے کیا ہے کہ بعد میں جو حکم مذکور ہے اس کے یہ عین مطابق ہے

(۶) رجال سند پر بھی کہیں کہیں کلام کرتے ہیں نیز حنفیہ کے دلائل پر بھی جرح و قدح سے گریز نہیں کرتے۔

(۱۲) الہدی المحمود لترجمہ سنن ابی داؤد

یہ سنن ابی داؤد کا اردو ترجمہ ہے اور بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں مطبع صدیقی لاہور سے ۱۳۰۱ھ میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ پہلی جلد ۶۳۸ اور دوسری جلد ۶۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا وحید الزماں نے جن باتوں کو مقدمہ میں بیان کیا ہے ان کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:-

"۱۲۹۶ھ کے اوائل میں ترجمہ موطا اور ترجمہ ترمذی[1] سے فراغت حاصل کی اس کے بعد دل چاہتا تھا کہ پہلے صحیح بخاری کا ترجمہ کیا جاتا اور نواب والا جاہ امیر الملک بہادر کا بھی یہی منشا تھا، لیکن کتب ضروری ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے بخاری کے ترجمہ کی ہمت نہیں کی اور یہ ترجمہ شروع کر دیا اور ۲۴ ربیع الآخر ۱۲۹۷ھ روز دوشنبہ کو اس سے فراغت حاصل کی"۔

جس زمانے میں مولانا نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا وہ ایک عبوری دور تھا اور آپ کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ حجاز میں مستقل قیام کیا جائے یا حیدر آباد ہی میں سکونت اختیار کی جائے، اس وجہ سے یہ ترجمہ زیادہ دلجمعی سے

[1] مولانا نے جامع ترمذی کے ترجمہ کا جو ذکر کیا ہے وہ دراصل مولانا بدیع الزماں کا کیا ہوا ہے چونکہ دونوں بھائی صحاح ستہ کے ترجمہ پر مامور تھے غالباً اسی وجہ سے اس کی نسبت اپنی طرف کر دی ہے ۱۲

نہیں کیا گیا اور ایک نہایت ضخیم کتاب کا ترجمہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں پورا کر دیا۔ اسی بنا پر متن حدیث پر اعراب نہیں ہے۔ اور کتاب کے فوائد میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ تشریحی فوائد بھی کم ہیں، تاہم جو ہیں وہ معالم السنن للخطابی، حاشیۂ حافظ زکی الدین المنذری، ابن القیم، شرح مغلطائی، شرح ولی الدین عراقی اور مرقاۃ السعود وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

مولانا نے حدیث کی جن کتابوں کا ترجمہ کیا ان سب میں اعراب کا اہتمام اور التزام کیا ہے مگر یہی ایک کتاب ہے جس پر اعراب نہیں لگایا ہے۔

(۱۳) روض الربیٰ من ترجمۃ المجتبیٰ

یہ امام نسائی کی مشہور کتاب سنن المجتبیٰ کا اردو ترجمہ ہے اور متوسط تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ۱۳۰۲ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہو گیا ہے۔

مولانا نے یہ ترجمہ ۱۲۹۷ھ میں حیدر آباد آ کر شروع کیا اور دو سال میں پورا کر دیا، نسائی شریف کے ترجمہ کے متعلق مولانا کا خیال تھا کہ اس کا ترجمہ صحیحین کے بعد کیا جاتا مگر صحیح بخاری اور مسلم کے ترجمہ کے لئے جیسا سکون خاطر درکار تھا وہ اس وقت حاصل نہ تھا اس لئے نسائی شریف کا ترجمہ پہلے کیا۔ آغاز مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"وحید الزماں . . . . عزّ شانہ کے فضل سے اوائل ۱۲۹۷ھ میں سنن ابی داؤد (علیہ الرحمۃ) کے ترجمہ سے فراغت حاصل ہوئی۔ اب منجملہ صحاح ستہ کے تین کتابوں کا ترجمہ باقی رہا، صحیحین اور سنن نسائی شریف ہر چند کہ اکثر احباب کی خواہش اور میری تمنا یہی تھی کہ اب صحیحین کا ترجمہ شروع کیا جاوے اور سنن نسائی کو صحیحین کی فراغت کے بعد رکھا جاوے لیکن بوجہ پریشانی سفر اور قلت سامان کے مناسب یہی معلوم ہوا کہ پہلے سنن نسائی کا ترجمہ کر دیا جاوے کیونکہ یہ چاروں کتابیں یعنی موطا امام مالک اور سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی اور سنن نسائی علاوہ مختصر ہونے کے چنداں شروح اور حواشی کی احتیاج نہیں رکھتیں اور صحیحین علاوہ کثیر الحجم ہونے کے شروح اور حواشی اور کثرت سامان اور اطمینان قلب کو چاہتی ہیں اور جناب فیض مآب محی السنہ قامع البدعہ نواب والاجاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خان بہادر دام مجدہم کا بھی منشاء اسی کو مقتضی ہوا۔"

ابتداء میں بارہ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جس میں امام نسائی کے حالات ہیں پھر صاحب کتاب تک اپنی سند بیان کی ہے، سند وہی ہے جو بخاری میں مذکور ہے۔ پہلے حدیث کا متن ہے پھر ترجمہ ہے اور اس کے ساتھ ہی تشریحی فوائد ہیں جو مستند شروح سے ماخوذ ہیں، کتابت اور طباعت دونوں خوب ہیں۔

(۱۴) المعلم لترجمۃ صحیح مسلم

یہ صحیح مسلم کا اردو ترجمہ اور مختصر شرح ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، متوسط تقطیع کی چھ ضخیم جلدوں میں ۲۸۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سنہ ۱۳۰۶ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے چھپ کر شائع ہو گئی ہے۔

ابتدا میں ۹ صفحے کا ایک دیباچہ ہے جس میں ترجمے کے آغاز کی تاریخ، صحیح مسلم کا مرتبہ و مقام، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ، امام مسلم کے انتخاب حدیث کے شرائط و اصول، احادیث کی تعداد صحیح مسلم کی شروح، امام مسلم کا تذکرہ اور صاحب کتاب تک اپنی سند بیان کی ہے۔

صحیح مسلم کے ترجمہ سے پہلے بخاری شریف کے ترجمہ کا ارادہ تھا مگر صحیح بخاری کی شروح میں فتح الباری کو نہایت بلند مقام حاصل ہے وہ موصوف کے پاس نہ تھی اس کے بغیر فوائد کی تکمیل میں بڑی دشواری پیش آتی اس لئے آپ کو اس کا جلد ترجمہ شروع کرنے میں تامل تھا۔ ادھر نواب صدیق حسن خاں مصر میں اس کی طباعت کا انتظام کرا رہے تھے، انھوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اس عرصہ میں مسلم شریف کا ترجمہ کر دیا جائے، جیسا کہ لکھتے ہیں:-

"بعد حمد و نعت کے فقیر حقیر سراپا تقصیر وحید الزماں . . . . عرض کرتا ہے کہ باوجود ضعف اور ناتوانی اور قلت بضاعت اور بے سر و سامانی کے اواخر سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں محض تائید غیبی اور امداد خداوندی سے چار بڑی بڑی کتابیں حدیث کی منجملہ صحاح ستہ کے زبان اردو میں ترجمہ ہو گئیں یعنی موطأ امام مالک اور جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد اور سنن نسائی اور جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے ان چاروں کتابوں کو مقبول فرمایا اور صدہا، ہزارہا نسخے ان کے طالبین نے ہر چہار طرف ولایت ہند کے خرید فرمائے اب شروع چودھویں صدی یعنی سنہ ۱۳۰۱ ہجری ماہ محرم سے یہ فکر پیدا ہوئی کہ اگرچہ حیات مستعار کا اعتبار نہیں اور زندگانی دنیا محض ایک حباب ہے مگر خیر جب تک چند نفس باقی ہیں وہ بھی اگر خدمت حدیث میں صرف ہوں تو اس سے بڑھ کر کون سی نعمت ہے۔ پس اس خیال سے صرف خداوند کریم کی مدد پر بھروسا کر کے میں نے صحیحین کے ترجمے میں وقت کو صرف کرنا مناسب جانا اور چونکہ صحیح بخاری (علیہ الرحمۃ) کی شرحیں اور ترجمے عربی اور فارسی زبان میں بہت ہو چکے ہیں بلکہ حال میں ایک ترجمہ اردو زبان میں بھی شہر مدراس میں چھپنا شروع ہو گیا تھا اس کے علاوہ جناب نواب . . . سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر جن کی ہمت . . . حمایت شریعت متین کے متوجہ رہتی ہے اپنی عالی ہمتی اور اولوالعزمی سے کتاب مستطاب نادر الوجود فتح الباری شرح صحیح البخاری کا چھپوانا مصر میں شروع فرمایا ہے . . . . اس لئے ترجمہ بخاری میں اس شرح کے

میسر ہونے سے بڑی آسانی کا خیال تھا۔ میں نے ترجمہ صحیح بخاری کو بالفعل ملتوی رکھ کر حسب ایماء واشارت جناب ممدوح صحیح مسلم (علیہ الرحمۃ) کا ترجمہ شروع کیا"۔

اس میں بھی حسب دستور حدیث کے متن کے بعد ترجمہ ہے اور پھر حدیث سے متعلق تشریحی فوائد ہیں یہ فوائد نہایت تفصیلی ہیں۔ اس کی وجہ زیادہ تر امام نووی کی شرح مسلم کا التقاط اور انتخاب ہے۔ کہیں کہیں مترجم کے بھی توضیحی فوائد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب نہایت ضخیم ہوگئی۔

(۱۵) تسہیل القاری ترجمہ اردو صحیح البخاری (مع الشرحین فتح الباری وارشاد الساری یعنی قسطلانی مع نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار)۔

یہ شرح چونکہ تیس پاروں میں لکھی جارہی تھی اس لئے ہر پارہ علیحدہ چھپنا شروع ہوا۔ متوسط تقطیع پر پہلا پارہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے چھپ کر شائع ہوا اور اسی تقطیع پر علی الترتیب ابتدائی چار پارے مطبع مذکور سے شائع ہوئے، پہلا پارہ ۸۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

جب مولانا وحید الزماں صحیح مسلم کے ترجمہ سے فارغ ہوئے تو یہ خیال ہوا کہ اب بخاری کا ترجمہ ہو اور اس کی ایسی جامع شرح کردی جائے کہ قاری کو پھر کسی دوسری کتاب کی طرف مراجعت کی چنداں احتیاج باقی نہ رہے اور یہی ایک کتاب اس کو دوسری کتابوں کے دیکھنے سے مستغنی کردے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نواب صدیق حسن خاں سے مشورہ کیا۔ موصوف نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا جیسا کہ آغاز مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"اواخر ۱۳۰۵ھ میں محض اس کے افضال سے صحیح مسلم شریف کا ترجمہ ختم ہوا اور منجملہ صحاح ستہ سے فراغت حاصل ہوئی، اب صحاح ستہ میں سے صرف یہی ایک کتاب باقی تھی۔ . . . . جناب فیض مآب . . . محمد صدیق حسن خاں . . . . کا منشا اسی کو مقتضی ہوا . . . . . غرض یہ ہے کہ جو کوئی اس کتاب کو حاصل کرے اس کو کسی حدیث کے دیکھنے کے لئے صحاح ستہ وغیرہ اور کتابوں کی ضرورت نہ رہے پس یہ ترجمہ جامع ہے تمام فوائد اور احادیث کا، درحقیقت ایک شرح عظیم ہے صحیح بخاری کی، جس کی مثل آج تک تالیف نہیں ہوئی اور اس کا اتمام تخمیناً تیس جلدوں میں نظر آتا ہے"۔

ابتدا میں ۸۱ صفحات کا نہایت محققانہ مقدمہ ہے جس میں امام بخاری کا تفصیلی تذکرہ، صحیح بخاری کی تدوین اس کا مرتبہ ومقام اور اس کی شروح کا ذکر ہے پھر امام بخاریؒ تک اپنی بارہ سندوں کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے جس میں ایک سند نہایت اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں امام بخاریؒ تک صرف چودہ واسطے ہیں جو نہایت قلیل ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ نہایت عالی ہے اور وہ یہ ہے:۔

"وحید الزماں عن احمد بن ابراھیم عن عبد اللطیف عن محمد بن محمود الجزائری عن ابی الحسن علی بن عبد القادر الامین عن ابی الحسن علی بن مکرم اللہ العدوی الصعیدی عن عبد اللہ بن محمد عقیلۃ المالکی عن حسن علی العجیمی عن احمد بن محمد بن عجیل الیمنی عن یحیی بن مکرم الطبری عن ابراھیم بن محمد الصدقہ الدمشقی عن عبد الرحمن بن عبد الاول الفرغانی عن محمد بن شاد بخت الفارسی عن یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاھان الختلانی عن الفربری عن الامام البخاری۔

شیخ عبد اللطیف نے کہا مجھ سے امام بخاری تک بارہ واسطے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اس اسناد میں مجھ سے امام بخاری تک چودہ واسطے ہیں[1]"

مولانا وحید الزماں نے تسہیل القاری کے آغاز سے چند سال پیشتر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مولانا کو مجلد کتاب دی، آپ نے دیکھا تو صحیح بخاری تھی۔ یہ گویا تسہیل القاری کے لکھنے کی طرف اشارہ تھا جیسا کہ "تذکرۃ الوحید" میں لکھتے ہیں:۔

"سنہ و تاریخ مجھ کو محفوظ نہیں ہے میں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ اس زمانہ کے درویشوں کی حالت آپ جانتے ہیں کہ آپ میری بیعت بلا واسطہ قبول فرمایئے۔ یہ سن کر آپ مجھ کو ایک خیمہ میں لے گئے اس کی قناۃ کے متصل کئی کتابیں رکھی تھیں آپ نے ایک مجلد کتاب اٹھا کر مجھ کو دی میں نے جو اس کو کھول کر دیکھا تو وہ صحیح بخاری تھی۔ اس خواب کے کئی سال بعد حق تعالے نے صحیح بخاری کے ترجمہ اور شرح کی مجھ کو توفیق عطا فرمائی[2]"

مولانا وحید الزماں نے پہلا پارہ ۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۶ھ کو منگل کے دن مکمل کیا تھا۔ چونکہ یہ کام نہایت اہم تھا اس کے لئے بڑی فرصت درکار تھی اور مولانا کو بعض خانگی مصروفیتوں کی وجہ سے فرصت نہ مل سکی لہٰذا یہ کام چار پاروں سے زیادہ نہ ہو سکا تاہم مولانا کو اس کی تکمیل کا خیال برابر رہا جیسا کہ تیسیر الباری کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے فرماتے ہیں:۔

"اس سے پہلے جو شرح میں نے صحیح بخاری کی لکھی تھی اس کا نام تسہیل القاری تھا وہ صرف چار پاروں تک لکھی گئی تھی اور ہر ایک پارہ ایک جلد ضخیم تھا اس کے بعد میں کئی سال تک دنیوی شاغل میں

---

[1] تسہیل القاری۔ ج ۱ ص ۴۰۔ ۱۲

[2] تذکرۃ الوحید ص ۳۶۔ ۱۲

پھنس گیا کہ اس کے پورا کرنے کی نوبت نہ آئی سنہ ۱۳۲۰ھ میں حق تعالیٰ نے ان بیہودہ مشاغل سے مجھ کو نجات دلوائی ایک سال ایک ماہ پانچ روز میں تفسیر قرآن پوری ہوئی۔ اب یہ ترجمہ (تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری) لکھتا ہوں اللہ کے کرم سے امید ہے کہ وہ اس کے اتمام کے بعد تسہیل القاری کو بھی پورا کرا دے[۵۱]۔"

افسوس! مولانا کو پھر مہلت نہ مل سکی اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

(۱۶) رفع العجاجہ عن ترجمہ سنن ابن ماجہ یہ سنن ابن ماجہ کا اردو ترجمہ ہے اور متوسط تقطیع کی تین ضخیم جلدوں میں مطبع صدیقی لاہور سے سنہ ۱۳۱۱ھ میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

ابتدائے کتاب میں پہلے ترجمہ سے متعلق کچھ امور مذکور ہیں پھر امام ابن ماجہ کا تذکرہ ہے اور سنن ابن ماجہ کی شروح کا ذکر ہے، بعد میں صاحب کتاب تک اپنی سند کو بیان کیا ہے پھر اصل کتاب کا آغاز ہے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ دراصل آپ کے بڑے بھائی بدیع الزماں نے سنہ ۱۲۹۸ھ میں شروع کیا تھا مگر "باب ماجاء فی التوقیت للمسح للمقیم والمسافر" تک ہی پہنچے تھے کہ سنہ ۱۳۰۴ھ میں رہ گرائے عالم بقا ہوئے اور ترجمہ مکمل نہ ہو سکا تو بعض احباب نے تسہیل القاری کی تالیف اور ترجمہ کے ایام میں مولانا سے اصرار کیا کہ یہ ترجمہ بھی پورا کر دیا جائے چنانچہ اسی زمانے میں مولانا نے اس کا ترجمہ بھی شروع کر دیا اور جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، جیسا کہ آغاز کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"وحید الزماں . . . عرض کرتا ہے کہ سنہ ۱۳۰۵ ہجری کے اواخر میں حدیث کی بڑی بڑی پانچ کتابوں کے ترجمہ سے فراغت حاصل ہوئی اور ماہ ذیقعدہ سنہ مذکور سے صحیح بخاری (علیہ الرحمۃ) کا ترجمہ بہ بسط تمام شروع کیا گیا۔ اللہ جل جلالہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ ترجمہ چند سال کے عرصہ میں پورا ہو جاوے گا۔ چونکہ صحاح ستہ میں بقول راجح، موطأ امام مالکؒ کی داخل تھی اس لئے سب سے پہلے موطا شریف کا ترجمہ کیا گیا اور اللہ جل جلالہ کے فضل سے وہ ترجمہ نہایت مطبوع اور مقبول ہوا اور سنن ابن ماجہ کا ترجمہ بشرط موقع اور فرصت اور نیز اس خیال سے کہ وہ صحاح ستہ میں بقول راجح نہیں ہے ملتوی رکھا گیا تھا پر اکثر صاحبوں نے اس فقیر سراسر تقصیر سے یہ سوال کیا کہ اگر سنن ابن ماجہ کا بھی ترجمہ ہو جاوے تو مناسب ہے کیونکہ متعدد علماء کے نزدیک یہ کتاب صحاح ستہ میں داخل ہے اور اکثر مقامات میں داخل درس ہے اور سوا اس کے اس کتاب کی ترتیب اور طرز تالیف

[۵۱] تیسیر الباری مطبوعہ مشیر حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۱ھ ج ۱ ص ۴-۱۲

خوب ہے اور مؤلف نے اس میں نہایت اختصار کے ساتھ احادیث کو جمع کیا ہے اور فقیر کو ان کا سوال لائقِ اجابت معلوم ہوا۔ مگر کیا کروں قلت فرصت کثرتِ شغل ضعف اعضاء رئیسہ، ترجمہ صحیح بخاری، یہ امور ایسے تھے جن کے لحاظ سے اس امر کا اتمام دشوار نظر آیا، اس پر بھی محض حق سبحانہ وتعالیٰ کی امداد اور اعانت پر بھروسا کرکے میں نے اس کتاب کا بھی ترجمہ شروع کیا اور جس قدر اوقات ترجمۂ صحیح بخاری شریف کے بعد بچتے تھے ان کا صرف کرنا اس کام میں مناسب خیال کیا، میں حق تعالیٰ شانہ سے بکمال تضرع اور نیاز دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے اس ترجمہ کو پورا کر دیوے اور اس کو مقبول اور مطبوع فرماوے آمین یا الٰہ العالمین۔

واضح ہو کہ جناب اخوی مطاعی مولوی حاجی محمد بدیع الزماں صاحب مرحوم ومغفور نے اس کتاب کا ترجمہ سنہ ۱۲۹۸ھ میں شروع کیا تھا اور ابتدائے کتاب سے صرف چار پانچ جزء کا ترجمہ یعنی باب ماجاء فی التوقیت للمسح للمقیم والمسافر تک لکھا تھا، افسوس ہے کہ جناب مغفور سنہ ۱۳۰۴ھ میں دنیا فانی سے سفر کر گئے اور اس کتاب کا نہ دیباچہ لکھا نہ اس کے اتمام کی مہلت پائی لہذا ناظرین باتمکین سے امید ہے جو اس کتاب کا مطالعہ فرماویں کہ جناب مرحوم کو بھی دعا خیر سے محروم نہ فرماویں"۔

مولانا وحید الزماںؒ نے سنن ابن ماجہ کا نصف اول ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ھ میں مکمل کیا اور چونکہ فرصت نہ تھی اس لئے نظر ثانی کا وقت بھی نہ مل سکا تھا جیسا کہ جلد اول کے خاتمہ پر لکھتے ہیں :-

"نصف اول سنن ابن ماجہ کا تمام ہوا چھٹی تاریخ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ھ روز چہار شنبہ . . . . . مترجم بصد ادب گذارش کرتا ہے کہ بوجہ کم فرصتی اور ضعف قوی اور کثرت مشاغل کے ترجمہ پر نہ نظر ثانی ہو سکی نہ غور کے ساتھ ترجمہ لکھنے کا موقع ملا، اس لئے اگر کسی مقام میں غلطی یا سہو پاویں تو اس کی اصلاح فرمالیں"۔

رفع العجاجہ کے فوائد، شرح مغلطائی، مصباح الزجاجۃ اور انجاح الحاجہ وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ کتابت اور طباعت دونوں خوب ہیں۔

(۱۷) موضحۃ الفرقان مع تفسیر وحیدی یہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور اس کی تفسیر ہے پہلی مرتبہ بڑی تقطیع پر ۱۳۲۳ھ میں مطبعۃ القرآن والسنہ امرتسر سے شائع ہوئی ہے۔

ہندوستان میں اس دور میں متعدد ترجمے اور تفسیریں شائع ہوئیں جن میں ترجمہ اور تفسیر دونوں

حالات کے مطابق کی گئی تھیں جیسے سرسید کی تفسیر اور میرزا حیرت کا ترجمہ۔ بعض ترجمے اور تفسیریں ہر اعتبار سے بہتر اور عمدہ ہوئے مگر ان میں صفات باری تعالیٰ کو متاخرین متکلمین کے مسلک کے مطابق بیان کیا گیا تھا اور اس سے مولانا کو اختلاف تھا۔ اس لئے مولانا نے قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر دونوں میں سلفی عقائد کی ترجمانی کی اور جابجا ان تاویلات پر سختی سے نکتہ چینی کی۔ مولانا نے قرآن کی یہ تفسیر تمامتر احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں لکھی ہے۔

ابتدا میں مضامینِ قرآن کی اردو میں ایک فہرست ہے جو ۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ فہرست میں پہلے عنوان لکھا گیا ہے پھر اس کے متعلق مضمون کے مطابق قرآن پاک کی سورت، رکوع اور آیت کا نمبر دیا گیا ہے اس طرح قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں کی نمبر وار فہرست ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں مضمون کن کن سورتوں اور کن کن آیتوں میں آیا ہے۔ اس ترجمہ کا تاریخی نام "موضحۃ الفرقان" (۱۳۲۱ھ) ہے۔ ابتدا میں دیباچہ ہے جس میں ضروری امور کی وضاحت ہے۔ اس قرآن مجید میں اور نسخوں کی طرح ہر آیت کا ترجمہ بین السطور میں ہے اور حواشی پر فوائد چڑھے ہوئے ہیں جو تفسیر وحیدی کے نام سے مشہور ہیں۔

مولانا نے قرآن مجید کا ترجمہ ۱۳۲۰ھ میں شروع کیا اور سال بھر میں پورا کر دیا تھا چنانچہ خاتمہ پر لکھتے ہیں:۔

"تمام ہوئی تفسیر پانچویں تاریخ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز کے اور شروع ہوئی تھی غرہ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ کو تو کل مدت اتمام کی ایک سال ایک ماہ پانچ روز ہوتے ہیں یا اللہ تو اس بندۂ ناچیز کی کوشش و محنت محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالے۔"

قرآن مجید کا یہ ترجمہ بامحاورہ اور نہایت سلیس ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے متعدد اردو ترجمے مولانا کے پیش نظر تھے اسی لئے ترجمے کی زبان میں کہیں قدامت کا رنگ نہیں پایا جاتا ہے فوائد میں جابجا مسلک اہلِ حدیث کی پرزور تائید کی ہے آخر میں لغات القرآن کے عنوان سے مشکل الفاظ کی فرہنگ ہے اور اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب اور فضائل پر بھی ایک رسالہ ملحق ہے جس کا نام "بشارۃ الاخوان بفضائل القرآن" ہے۔ آخر میں مترجم کی اختتام ترجمہ کی تاریخ ہے وہو ہذا؎

جب کہ کامل ہوئی تفسیر بہ فضل رحمٰن — اچھی تاریخ کا پیدا ہوا دل میں ارمان
ہاتف غیب سے اک دم یہ صدا آئی — کیوں نہیں کہتا ہے "موضحۃ الفرقان" (۱۳۲۱ھ)

مولوی عبدالغفور اور عبدالاول امرتسری کی طلب پر مولانا وحید الزماں نے تفسیر وحیدی کا حق اشاعت

بلامعاوضہ ان کو دیدیا تھا مگر جب انھوں نے مطبعۃ القرآن والسنہ کو ختم کردیا تو حق اشاعت مالک مطبع احمدی لاہور کو بارہ سو روپے میں فروخت کردیا تھا جیسا کہ دوسرے ایڈیشن کی عبارت سے (جو ۱۹۳۳ء میں گیلانی پریس لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوا) ظاہر ہوتا ہے :۔

"اس قرآن مجید کے ترجمہ اور حاشیہ کا حق تصنیف مولوی وحید الزماں صاحب نے بلا کسی معاوضہ کے للہ عبدالغفور و عبدالاول امرتسری کو دیا چونکہ عبدالاول نے مطبع کو بند کر کے مدرسہ میں ملازمت اختیار کرلی تھی اور اس کا حق تصنیف فروخت کردیا بندہ نے اس کا حق تصنیف بارہ سو روپیہ دیکر ہمیشہ کے لئے خرید لیا ہے۔"

(۱۸) تیسیر الباری لترجمۃ صحیح البخاری

یہ صحیح بخاری کا اردو ترجمہ ہے اور اس پر نہایت مختصر فوائد ہیں چونکہ یہ کتاب تیس پاروں میں ہے اس لئے ہر ایک پارہ ترتیب کے ساتھ جدا جدا، مطبع احمدی لاہور سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔

مولانا نے تسہیل القاری کے چار پارے ہی لکھے تھے کہ ان کی مصروفیتیں بڑھ گئیں اور یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ جب قرآن کے ترجمہ اور تفسیر سے فراغت پائی تو خیال ہوا کہ بخاری کا ترجمہ بھی قرآن مجید کے ترجمہ کی طرح مختصر فوائد کے ساتھ کردیا جائے جیسا کہ لکھتے ہیں :۔

"تمام برادران دینی کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ بتاریخ پنجم ماہ جمادی الاولی ۱۳۲۱ھ روز جمعہ بعد از تمام تفسیر مع ترجمہ قرآن مجید ختم ہوئی اس کے بعد بالہام غیبی یہ حکم ہوا کہ صحیح بخاری شریف کا ترجمہ شروع کیا جائے اور حاشیہ پر فوائد مختصر درج ہوں جن کے مطالعہ سے اصل کتاب کا مطلب ہر شخص سمجھ جائے یہ دونوں کتابیں طالب حق کے لئے کافی ہیں یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی کتاب صحیح بخاری۔"

مولانا نے ۱۳۲۱ھ میں پھر تیسیر الباری لکھنی شروع کی اور کم و بیش دو سال کی مدت میں بخاری شریف کے تیس پاروں کا اردو میں مختصر فوائد کے ساتھ پورا ترجمہ کردیا، آغاز کتاب میں لکھتے ہیں :۔

"یا اللہ میں تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں اگر ہر بن مو زبان ہوجائے تو بھی تیری نعمتِ عظمٰی کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا کہ تو نے ایک عرصہ قلیل میں اس کتاب عظیم النصاب کے ترجمہ اور شرح سے فراغت بخشی جو بعد تیری کتاب پاک کے دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ افضل اور زیادہ صحیح ہے اس کتاب مستطاب کا ترجمہ جمادی الاولی ۱۳۲۱ھ کو شروع ہوا تھا دوسری ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ ۱۳۲۳ ہجری کو ماہ ولادت و یوم ولادت جناب رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم میں پورا ہوا اس حساب سے کل مدت تالیف اکیس ماہ ۲۶ یوم ہوتی ہے۔ یا اللہ اس ترجمہ اور شرح کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما لے

کیونکہ میں نے یہ سب محنت اور مشقت اس عالم پیری اور ناتوانی میں خاص تیری ہی رضامندی کے لئے اٹھائی ہے تو ہر ایک نیت سے خوب واقف ہے۔ آمین یارب العالمین"۔

ترجمہ میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھا گیا اور فوائد میں کن کن امور کی رعایت کی گئی ہے اس کی وضاحت مولانا نے ابتدا ہی میں کردی ہے، فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب کے ترجمہ میں میں نے کُل بخاری کو مع اسناد کے متن میں رکھا ہے اور ہر ایک سطر کے نیچے اُس کا بامحاورہ ترجمہ اردو میں لکھا تاکہ اصل کتاب کو پڑھنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور ترجمہ میں جہاں کوئی مختصر عبارت ضرورت سے زائد کی گئی ہے تو اس کے لئے دونوں خط عرضی اس طرح ( ) کر دیئے اور زیادہ مضمون لکھنے کی ضرورت ہوئی تو ف لکھ کر وہ مضمون حاشیہ میں درج کیا۔ . . . . .

اور اس کا نام میں نے تیسیر الباری لترجمہ صحیح البخاری رکھا"۔

یہ ترجمہ پہلے ترجموں کے مقابلہ میں بہت منجھا ہوا، نہایت رواں اور سلیس ہے، نثر کا ترجمہ نثر میں کیا ہے اور شعروں کا ترجمہ شعروں میں۔ فوائد اگرچہ مختصر ہیں لیکن نہایت کافی اور شافی ہیں۔

متن کی کتابت قرآن مجید کی کتابت کی طرح جلی حروف میں ہے حتی کہ متن کی عبارت کو بھی حنائی رنگ دیا گیا ہے عبارت پر بھی اعراب لگایا گیا ہے اور ترجمہ بین السطور اور حواشی پر مختصر فوائد مستند شروح بخاری جیسے فتح الباری، عمدۃ القاری، کرمانی اور قسطلانی وغیرہ سے ماخوذ ہیں اور کہیں کہیں مذاہب اربعہ کو بیان کیا ہے۔ کتابت اور طباعت دونوں میں صحت و پاکیزگی کا التزام رکھا گیا۔ شائقین کی طلب اور طباعت کی سہولت کے پیش نظر ہر پارہ علیحدہ چھاپا گیا۔ یہ کتاب مختلف مطابع سے شائع ہوئی ہے لیکن مذکورہ بالا التزام صرف مطبع احمدی لاہور کے نسخہ میں ہے۔

مولانا وحید الزماں ترجمہ قلم برداشتہ کرتے اور کبھی اس پر نظر ثانی نہیں کرتے تھے اسی لئے ترجمہ پر زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا تھا اور ترجمہ جلد مکمل ہو جاتا تھا۔ اس طرح مسلسل ترجمہ ہوتا رہا اور بہت سی کتابوں کا ترجمہ ہو گیا مگر نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ میں وہ خوبی پیدا نہ ہو سکی جو ترجمہ کرنے کے بعد دیکھنے اور غور کرنے سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ جس میں بیشتر حدیثیں مکرر ہیں ان مکرر حدیثوں کا ترجمہ بھی یکساں نہیں ہے، یہ اختلاف اگرچہ معنی پر اثر انداز نہیں ہوتا مگر اپنے اندر کوئی معنی خیز خوبی بھی نہیں رکھتا، فوائد کی بھی یہی نوعیت ہے ہم ایک مختصر حدیث صحاح ستہ کی مختلف کتابوں سے مع ترجمہ اور فوائد نقل کرتے ہیں جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا:۔

"عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله   ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ

علیہ وسلم قال تنکح النساء لاربعۃ لمالہا ولحسبہا ولجمالہا ولدینہا فاظفر بذات الدین تربت یداک۔	صلی اللہ علیہ وسلم نے، نکاح کی جاتی ہیں عورتیں چار چیزوں سے، مال کے سبب سے اور شرافتِ خاندانی کے سبب سے اور دین کے باعث سے تو اپنا کام فتح کر
(روض المربی ترجمہ سنن المجتبیٰ)	دین والی سے، تیرے ہاتھ مٹی میں ملیں۔

فائدہ:۔ یعنی ان سب چیزوں میں دینداری بڑھ کر ہے تو اسی کو اختیار کر۔ مال و دولت شرافت خوبصورتی بیدینی کے ساتھ مزہ نہیں دیتی انجام میں مصیبت اور تکلیف ہوتی ہے دیندار سے ہمیشہ آرام رہتا ہے۔

اسی حدیث کا ترجمہ المعلم ترجمہ صحیح مسلم میں اس طرح کیا ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے نکاح کیا جاتا ہے چار سبب سے، اس کے مال کے لئے، اور جمال کے لئے اور حسب کے لئے اور دین کے لئے سو تو دیندار پر فتح حاصل کر تیرے ہاتھ میں خاک بھرے۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مال و جمال و حسب کے طالب ہوتے ہیں سو دیندار کو لازم ہے کہ ان سب خصلتوں سے دین کو مقدم جانے کہ صحبت میں اس کی صحبت نیک حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت کی برکت سے حسنِ خلق اور حسن معاشرت بھی عنایت کرے اور بسبب نیکی کے فتنہ دنیویہ اور فتن دینیہ سے محفوظ رہے۔"

اسی حدیث کا ترجمہ تیسیر الباری میں یوں لکھا ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے لوگ چار غرضوں سے نکاح کرتے ہیں یا تو مالداری کی وجہ سے یا حسب و نسب کی وجہ سے[1] یا خوبصورتی کی وجہ سے یا دینداری[2] کی وجہ سے تو ایسا کر دیندار عورت کو اختیار کر (جس کے اوضاع و اطوار اچھے ہوں) اگر ایسا نہ کرے تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (آخیر چل کر تجھ کو ندامت ہوگی۔"

یہی حال اشعار کے ترجمہ کا ہے، ایک شعر کا منظوم ترجمہ تیسیر الباری میں اس طرح کیا ہے:۔

شعر	ترجمہ
الا لیت شعری ہل ابیتن لیلۃ	کب الٰہی مجھ کو مکہ میں ملے گی ایک رات
بواد وحولی اذخر وجلیل[3]	جب اگی ہوگی میرے چاروں طرف اذخر جلیل۔

[1] یعنی عالی خاندانی شرافت دیکھ کر ۱۲ منہ

[2] یعنی عمدہ اخلاق، عمدہ رویہ ۱۲ منہ

[3] تیسیر الباری مطبع احمدی لاہور پارہ ۲۳ ص ۷۷۔

اسی شعر کا ترجمہ وحید اللغات میں کیا ہے جو اس سے بالکل جداگانہ ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:-

"حضرت بلال نے بخار کی حالت میں یہ شعر پڑھا، کاش میں مکہ کی وادی میں ایک رات گزاروں اور میرے گرداگرد اذخر اور جلیل ہو (اذخر ایک مشہور خوشبودار گھانس ہے اور جلیل مشہور بھاجی ہے جس کو تمام بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ پھر کبھی مکہ میں جانا اور وہاں ایک رات گذارنا نصیب ہوگا یا نہیں" میں نے اس مضمون کو اردو میں یوں منظوم کیا ہے ؎

کاش میں مکہ کی وادی میں گزاروں ایک رات — گرد میرے ہو جلیل (اور) اِذخِر (از قسم) نبات [۱][۲]

(۱۹) تبویب القرآن لضبط مضامین الفرقان مع حواشی تفسیر وحیدی

یہ قرآن مجید کے مضامین کی اردو زبان میں ایک نہایت تفصیلی فہرست ہے متوسط تقطیع کے ۷۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع احمدی لاہور سے چھپ کر شائع ہوگئی ہے۔

انگریزی کے چلن نے مسلمان بچوں کو اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور ان کے عقائد کو خراب کر دیا تھا مسلمان بھی بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اسکولوں کی تعلیم کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے اس لئے مولانا کو خیال ہوا کہ ان کے عقائد درست کرنے اور انھیں اسلامی تعلیمات سے باخبر رکھنے کے لئے قرآن مجید کی تعلیمات کو مرتب شکل میں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ ہر ایک اس سے مستفیض ہو سکے۔

مولانا نے قرآن مجید کے تمام مضامین کو ایک سو ایک باب میں منتخب کر کے ہر باب کا ایک عنوان قائم کیا اور ہر عنوان کے تحت جتنی آیتیں اپنے اپنے موقعہ پر متفرق طور سے آئی ہیں ان سب کو مضامین کی ترتیب کے لحاظ سے یکجا کر دیا، اثبات توحید، صفات باری تعالیٰ اور دیگر ایمانیات کے ابواب کو پہلے ذکر کیا ہے پھر اخلاق کو پھر احکام اور قصص وغیرہ کو بیان کیا ہے، ترتیب ابواب میں مناسبت کا ہر جگہ خیال رکھا ہے اور اپنے بڑے بھائی مولانا بدیع الزماں کی کتاب "سبیکۃ الذہب الابریز فی فہرس مقاصد الکتاب العزیز" سے جو اسی موضوع سے تعلق رکھتی ہے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے، ترتیب ابواب اور وجہ تالیف کو آغاز کتاب میں اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"فقیر نے اس وقت بخیال فائدہ رسانی اہل اسلام و صیانت و حفاظت اہل ایمان بالہام ربانی یہ قصد مصمم کیا کہ قرآن پاک کی ترتیب بطور ابواب کر دی جائے اس طرح سے کہ پہلے اثبات باری تعالیٰ اور

---

[۱] وحید اللغات میں مصرعہ ثانی اس طرح درج ہے ع "گرد میرے ہو جلیل اذخر نبات" مگر ظاہر ہے یہ مصرعہ ہی پیدا نہیں ہوتا ۱۲

[۲] وحید اللغات۔ مادہ "جل" ۱۲

توحید اور صفات کی آیتیں تمام ذکر کی جائیں پھر عقائد کی پھر نبوت کی پھر احکام فقہی کی پھر قصص و امثال کی پھر اخلاق کی پھر دوسرے متفرق ابواب کی، اس طرح پر قرآن پاک کے مرتب ہو جانے سے یہ فائدہ منصور ہے کہ کم سن بچے اگر شروع کے دو تین باب ہی سمجھ کر پڑھ لیں گے تو ان کے عقائد درست اور مستحکم ہو جائیں اور مخالفین کے مغویانہ خیالات سے وہ محفوظ اور مصئون رہیں گے بحول اللہ و قدرتہ وہو علی کل شیٔ قدیر"

ہر آیت کو ترتیب سے لکھا ہے، پہلے عنوان قائم کیا ہے پھر اس کے نیچے آیت، پارہ، رکوع اور سورت کا نمبر دیا ہے پھر آیت کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ لکھا ہے، دوسری اشاعت میں ضروری حواشی اور مفید فوائد کا بھی اضافہ کیا ہے پہلی بار یہ کتاب بلا حواشی طبع ہوئی تھی جو تھوڑے ہی عرصہ میں فروخت ہو گئی دوبارہ شیخ احمد مالک مطبع احمدی نے حواشی کے ساتھ چھاپ کر شائع کی جیسا کہ خاتمۃ الکتاب پر ناشر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے:-

"پہلے یہ کتاب بلا حواشی طبع ہوئی تھی جو تھوڑے دنوں میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی اور اب دوبارہ شائقین کے اصرار سے یہ کتاب ایک نئی طرز پر طبع ہوئی ہے جو بہ نسبت سابق اب انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ مفید ثابت ہو گی"۔

(۲۰) ہدیۃ المہدی من الفقہ المحمدی یہ عربی زبان میں ہے اور دو جلدوں میں ۱۳۲۴ھ میں چھپ کر شائع ہو گئی ہے۔ چونکہ اہل حدیث نے شرک و بدعت کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا تھا اور بہت سی ایسی باتوں کو جو بدعت نہیں کہی جا سکتی ہیں، بدعت سے تعبیر کیا تھا اسی طرح بہت سی ان باتوں کو جو شرک کی تعریف میں نہیں آتی ہیں شرک قرار دیا اور اور بہت سے امور میں اعتدال کو چھوڑ دیا تھا۔ مؤلف نے انہی امور کی وضاحت اور ان کو اس غلو اور تشدد سے باز رکھنے کے لئے یہ کتاب دو حصوں میں تالیف کی، پہلے حصہ میں شرک کی تعریف کی اس کی حقیقت اور اس کے شعبوں کو نہایت تفصیل سے بتایا ہے اور دوسرے حصہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط کیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:-

"ہمارے بعض برادران اہل حدیث نے شرک و بدعت میں اتنا غلو اور تشدد کیا ہے کہ بہت سے امور کو جن کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے، شرک قرار دینے لگے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جیسے ہم کو شرک سے احتراز ضرور ہے اسی طرح جو امر شرک نہیں اس کو شرک قرار دینے سے بھی اجتناب لازم ہے کیونکہ تکفیر مسلمین نہایت ہی خوفناک اور باعث تباہی اور بربادیٔ آخرت ہے

جیسے حدیث صحیح میں وارد ہے، من قال لاخیہ کافر فقد باء باحدھما، دوسرے اصول حدیث وقرآن شریف میں جن امورات کا حاصل کرنا ضرور ہے ان کے حاصل کئے بغیر مسائل کا استنباط اپنی رائے سے شروع کر دیتے ہیں یہ امر بھی اندیشہ ناک اور باعث مغالطات ہوتا ہے اس لئے حسبۃ للہ بغرض صیانت برادران اہل حدیث میں نے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی اس کا نام ہدیۃ المہدی رکھا تھا اور اس کے دو حصے کئے تھے پہلے حصہ میں عقائد صحیحہ مطابق ائمہ اہل حدیث کے بیان کر دیئے تھے اور شرک کی اصلی ماہیت اور حقیقت کھول دی تھی اور دوسرے حصہ میں اصول قرآن وحدیث اس کی تلخیص کے ساتھ بیان کر دیئے تھے کہ ہر ایک شخص بکمال آسانی ان کو منضبط کر سکتا ہے اور اس کے بعد وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ قرآن اور حدیث سے مسائل ضروری مستنبط کر سکے اور اس کا استنباط قابل اعتماد ہو، الحمد للہ کہ یہ کتاب بھی یعنی اس کے دونوں حصے ۱۳۲۳ھ ہجری میں تمام ہو گئے تھے"[1]

مولانا کی تالیفات میں بس یہی ایک کتاب ایسی ہے کہ جب چھپ کر منظر عام پر آئی تو طبقۂ اہل حدیث ہی میں وہ شورش ہوئی کہ تمام لوگ آپ کے سخت مخالف ہو گئے، کیونکہ اس کتاب میں ان لوگوں کی رائے میں بھی بعض ایسی باتیں لکھ دی تھیں جن کا لکھنا روا نہ تھا، خود فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب پر ہمارے زمانے کے مسلمانوں کو بڑا غصہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب کل مسائل میں کسی فریق کے موافق نہیں ہے بلکہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کیا ہے نہ اہل حدیث ہمارے زمانے کے اس کو پسند کرتے ہیں نہ مقلدین نہ امامیہ نہ نام کے سنّی جو در حقیقت ناصبی ہیں۔ میرا بھروسا اللہ جل جلالہ پر ہے اعتزل تلك الفرق کلھا پیش نظر ہے جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں اس وقت اس کتاب کی صحیح حالت معلوم ہو جائے گی"[2]

(۲۱) تذکرۃ الوحید یہ مولانا کی خود نوشت سوانح عمری ہے اور متوسط تقطیع کے ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا ایڈیشن سنہ ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوا اور دوسرا ایڈیشن اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء میں مطبع عثمانی شاہی حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے

مولانا وحید الزماں اپنی بے لوث خدمت اور عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے عوام و خواص دونوں طبقوں میں ہر دلعزیز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کاروانِ عمر تیسویں منزل طے کر رہا تھا اسی زمانے میں آپ کے

---

[1] مقدمہ "لغات الحدیث" مطبوعہ اصح المطابع کراچی۔ ص ۴ - ۱۲

[2] وحید اللغات۔ مادہ "رحی" ۱۲

شاگرد مرزا محمد حسن لکھنوی نے آپ کی سی سالہ زندگی لکھی اور اس کتاب کا نام "لائف سی سالہ" رکھا جو مطبع متین کرتان۔ افضل گنج حیدر آباد دکن سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی[1]، بعد میں احباب کے اصرار سے ۱۳۲۷ھ میں اپنا تذکرہ خود لکھا جو غالباً ۱۳۲۸ھ میں چھپا مگر تمام نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، جب آپ ۱۳۳۳ھ میں مدینہ سے اہلیہ کو حیدر آباد چھوڑنے آئے تو جنگِ عظیم کی وجہ سے راستے بند ہو گئے، آپ حیدر آباد سے بنگلور آ گئے، قیامِ بنگلور کے زمانے میں آپ کے بڑے فرزند ڈاکٹر محمد اشرف اور میر فیض الرحمٰن نے اس کو دوبارہ چھپوانے کا ارادہ کیا اور آپ کو نظرِ ثانی کے لئے دیا جب آپ نے دیکھ لیا تو وہ پریس میں دیدیا گیا، اس طرح "تذکرۃ الوحید" دوبارہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔

یہ تذکرہ کیا ہے کشکول ہے۔ کشکول میں جتنا بسط ہوتا ہے اس میں اتنا ہی اختصار ہے، البتہ موصوف کی زندگی سے متعلق جتنی مستند معلومات اس میں مل سکتی ہیں وہ کسی اور جگہ ہاتھ نہیں آسکتیں، اس لحاظ سے یہ تذکرہ اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ اس میں عنوانات تو بہت ہیں مگر مواد کچھ نہیں، عنوانات کا اندازہ اس کی حسب ذیل ترتیب سے ہو سکتا ہے۔

پہلے مقامِ پیدائش بتایا ہے پھر ملازمت کا عنوان ہے پھر تحصیلِ علم ہے اس کے بعد سفرِ حج کا تذکرہ ہے بعد ازاں نسب بیان کیا ہے پھر برادران و ہمشیرگان ہیں، اولاد ہے، اساتذہ کا ذکر ہے، دلائل الخیرات کی سند لکھی ہے، شیوخ حدیث کو بتایا ہے، تالیفات اور تصانیف گنائی ہیں، اس کے ساتھ ہی بحث و مناظرہ، وعظ و نصیحت، تصوف، تلامذہ، جذبہ قومی اور پھر رؤیا، کا بیان ہے اور اسی پر کتاب ختم ہو گئی، ان مذکورۂ بالا عنوانات میں سب سے زیادہ زور رؤیا کے بیان پر صرف کیا ہے اور ان کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ یہ باب ۱۷ صفحہ سے ۲۸ صفحہ تک پھیلا ہوا ہے، گویا کتاب کے نصف حصہ میں منامات کو لکھا گیا ہے۔

اس تذکرہ میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ جس چیز کو تفصیل سے لکھنا چاہئے تھا اس میں نہایت اختصار کیا ہے اور جن باتوں کو مختصر لکھنا چاہئے تھا اس میں بڑی تفصیل کی ہے۔ اس کی وجہ اختلافِ مذاق اور اختلافِ زمان ہے۔ گذشتہ زمانہ میں کشف و کرامات ہی تذکرہ کی جان سمجھی جاتی تھیں لیکن اب اہمیت سیرت اور کردار کو حاصل ہے۔ ہم نے "حیات وحید الزماں" میں اسی امر کا خیال رکھا ہے

[1] یہ کتاب متوسط تقطیع کے ۶۳ صفحات پر محیط ہے اور ۱۲۶۸ھ سے ۱۲۹۸ھ تک کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ مولانا کے معمولات اور شبانہ روز کی زندگی کو نہایت تفصیل سے پیش کرتی ہے چونکہ عقیدتمندانہ نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے اس لئے اس میں ضرورت سے زیادہ طول آگیا ہے۔ ۱۲

چنانچہ سیرت کے جتنے پہلو جا بجا نظر آئے انھیں ترتیب دے کر قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے اور مولانا کی کی اصل عبارت کا اقتباس بھی جگہ جگہ دیدیا ہے تاکہ مولانا کے اصل الفاظ بھی محفوظ رہیں۔

(۲۲) کنز الحقائق فی فقہ خیر الخلائق[1] یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے عربی زبان میں فقہ کی کتاب ہے جو غالباً ۱۳۳۰ھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مسلک اہل حدیث کے مطابق ضروری مسائل کو احادیث سے مستنبط کر کے مرتب کیا ہے۔ تفصیلی عنوانات کا چنداں اہتمام نہیں ہے۔

اس کا انداز نگارش عام ہندوستانی علماء سے کچھ بلند ہے اور صرف ونحو کی غلطی سے پاک ہے لیکن انشاء کا صحیح مذاق نہ ہونے کے باعث وہ غلطیاں موجود ہیں جو ایک عجمی سے عموماً ہوتی ہیں جس کی وجہ الفاظ کے برمحل استعمال سے ناواقفیت ہے، یہی وجہ ہے کہ مزاروں پر چراغ جلانے کے لئے تسریج السرج علی القبور جیسے ثقیل اور نامانوس فقرے استعمال کئے گئے ہیں یہ صرفی نحوی اور لغوی اعتبار سے اگرچہ صحیح ہیں لیکن اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہرگز نہیں۔ اہلِ عرب ایسے موقعوں پر ایقاد السرج للقبور بولتے اور یہی لکھتے ہیں، یہی ان کا روزمرہ ہے تسریج السرج علی القبور جیسی عبارت کو سمجھنے میں بھی اہل زبان کو تکلف ہوتا ہے اور اس قسم کی عبارت سے کتاب کی افادیت محدود ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سید رشید رضا نے المنار میں اس کے جستہ جستہ کچھ اقتباسات نقل کئے تو عنوان اپنا قائم کیا ہے اور مطلب کی وضاحت اور عبارت کے مفہوم کی توضیح کے لئے جا بجا نوٹ دیئے ہیں ہم بھی اس اقتباس کو یہاں نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہو سکے گا:۔

البدعۃ الشرعیۃ	بدعت شرعی
(فصل) البدعۃ الشرعیۃ الامر الحادث فی الدین بعد القرون الثلاثۃ المشھود لہا بالخیر، لم یدل علیہا دلیل من الکتاب والسنۃ، و کل بدعۃ ضلالۃ وھی کثیرۃ سیما فی عصرنا ھذا فانھم قد احدثوا فی الدین اشیاء ما کانت فی عھد النبی	بدعت شرعی وہ بدعت ہے جس کا خیر القرون میں وجود نہ ہو یعنی جو حضورؐ کے زمانہ میں ہوئی نہ صحابہؓ کے دور میں اس کا وجود ہو نہ تابعین کے وقت میں پائی جاتی ہو بلکہ اس کے بعد وجود میں آئی ہو اور پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے بھی اس کی کوئی دلیل نہ ہو ہر بدعت گمراہی ہے اور ہمارے زمانے میں تو بہت ہو گئی ہیں کیونکہ لوگوں نے ایسی نئی نئی باتیں دین میں رائج کر لی ہیں جو نہ عہد رسالت میں

[1] سید رشید رضا نے اس کتاب کا نام کنوز الحقائق فی فقہ خیر الخلائق لکھا ہے لیکن ہم نے مؤلف کے نام کو اختیار کیا ہے۔ ۱۲

صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ کعقد مجلس المیلاد والقیام عند ذکر الولادۃ وانشاء عید المیلاد[۱] وقراءۃ الفاتحۃ علی الحلواء والطعام، والاجتماع لقرأۃ القرآن فی الیوم الثالث[۲] وایصال الثواب الی المیت بتعیین یوم اووقت[۳] وتسریج السرج علی القبور[۴] وبناء التوابیت[۵] ونصب الاعلام وذکر الخلفاء بعد کل ترویحۃ وتسمیۃ الصحابۃ والسلاطین فی الخطب والصلاۃ علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم قبیل الاذان[۶] والاقامۃ والتثویب و الترحیم وامثالہا۔

اور نہ دور صحابہ میں تھیں جیسے میلاد کی محفلیں میلاد میں کھڑے ہونا، عید میلاد النبی منانا، کھانے اور حلوے پر فاتحہ دلانا، تیجے کے دن لوگوں کو جمع کرکے قرآن خوانی کرنا اور میت کے ایصال ثواب کے لئے خاص وقت اور خاص دن مقرر کرنا، قبروں پر چراغاں کرنا، مزاروں پر قبے بنانا اور قبروں پر تپھر لگانا، ہر ترویحہ کے بعد خلفا کا ذکر کرنا جمعہ کے خطبوں میں صحابہ اور بادشاہوں کا ذکر کرنا اذان اور اقامت سے پہلے حضورؐ پر درود بھیجنا۔ اذان کے بعد پھر لوگوں کو نماز کے لئے خبر کرنا اور اطلاع نماز کے لئے امام سے جاکر یرحمك الله وغیرہ کہنا۔

ـ علامۃ اهل الحدیث ـ

من علامات اهل الحدیث الجمع بین الصلاتین حالتۃ الاقامۃ والصحۃ لحاجۃ دنیویۃ او دینیۃ والمسح علی الخفین والجوربین ولو غیر ثخینین والمسح علی العمامۃ ورفع الیدین فی ثلاثۃ مواطن عند الرکوع وعند رفع

ـ اہل حدیث کی نشانی ـ

اہل حدیث کی نشانیوں میں سے یہ ہیں مقیم اور تندرست ہونے کی حالت میں بھی دینی یا دنیوی ضرورت کی وجہ سے دو وقت کی نمازوں کو ایک وقت میں ساتھ ساتھ ادا کرنا، چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا اور موزوں پر جو خود بخود پاؤں میں نہ ٹھہر سکیں عمامہ پر مسح کرنا، تین مواقع پر رفع یدین کرنا، رکوع میں جاتے وقت

---

[۱] ای الاحتفال بالمولد النبوی الشریف، ومثلہ سائر الاحتفالات التی جعلوها کالشعائر الدینیہ وقد افتی الفقیہ ابن الحجر المکی بکون القیام عند ذکر ولادۃ النبی صلعم بدعۃ کما تراہ فی کتابہ الفتاوی الحدیثیہ ولکن لم یبال بفتواہ احد ۱۲

[۲] بعد موت المیت الذی یقرأ لاجلہ ۱۲

[۳] لعلہ یرید طلب ایصال الثواب ۱۲

[۴] یرید ایقاد السرج ۱۲

[۵] ای للقبور۔ [۶] لعل هذا معتاد فی بلاد المؤلف (الهند) وفی بعض بلادنا یزیدون فی اخر الاذان ما یزیدون من ذلك وکلہ بدع۔ ۱۲

الرأس من الركوع وعند القيام من	رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تشہد اول سے کھڑے
التشهد الاول ووضع اليدين على الصدر	ہوتے وقت، نماز میں دونوں ہاتھوں کو سینہ پر باندھنا
والجهر بالأمين، وقرأة التسمية	ہر نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا، رکوع
اول كل سورة وقرأة الفاتحة خلف	اور سجود میں اعتدال کرنا، عجلت نہ کرنا، نماز کو
الامام في كل صلوة والاعتدال في الركوع	سنت کے موافق ادا کرنا اور قرآن کی سورتوں کو بھی
والسجود واداء الصلاة وقرأة السور	سنت کے مطابق پڑھنا۔
على وفق السنة[۵۱]۔	

مولانا نے کنز الحقائق کی ترتیب کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زیارت کی تو اس کو کنز الحقائق کی قبولیت کی نشانی سمجھا، لکھتے ہیں:۔

"۲۹ر شوال شب یکشنبہ کو سنہ یاد نہیں ہے میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خواب میں دیکھا شاید کنز الحقائق کے قبول کی نشانی ہے کیونکہ کہتے ہیں" الفقہ زرع ابن مسعودؓ"[۵۲]

ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:۔

"جب میں نے کتاب کنز الحقائق فقہ حدیث میں تمام کی اور اس کو طبع کرایا تو میں نے خواب میں عبداللہ ابن مسعودؓ کو دیکھا آپ علم فقہ کے گویا بانی تھے۔ حنفیہ کہتے ہیں الفقہ زرع ابن مسعود۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کو ایک زمانہ میں کنز الدقائق کی طرح مقبول اور مطبوع اور داخلِ درس کر دے گا۔ وما ذلك على الله بعزيز"[۵۳]

(۲۳) الهدية، الملقب به اصلاح الهداية وتصحيح الرواية

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور غالباً پندرہ جلدوں میں لکھی گئی ہے اس کی صرف چھٹی جلد نظر سے گذری ہے جو کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج کے مباحث پر مشتمل ہے، یہ کتاب ۱۳۳۲ھ میں مطبع شوکت الاسلام بنگلور سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں مولانا وحید الزماں نے محدثانہ نقطہ نگاہ سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی اصلاح اور تصحیح کی کوشش کی ہے، اصلاح اور تصحیح کی نوعیت صرف روایتی ہے اولاً متن ہدایہ میں ان قیود کا اضافہ کیا ہے جن سے موصوف کے خیال میں اہل حدیث کے مسلک کی ترجمانی ہوتی ہے

---

۵۱ (رسالہ) المنار جلد ۱۸ شمارہ ۴، ۱۳۳۳ھ

۵۲ تذکرۃ الوحید۔ ص ۲۵۔ ۱۲

۵۳ وحید اللغات۔ مادہ "غضّ"۔ ۱۲

ثانیاً ہر قید کو حدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

مولانا کی یہ سعی نہایت مستحسن اور جذبہ قابل قدر ہے، اس سے مولانا کے حدیث سے شغف اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی ترتیب میں نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ (مولفہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ) التلخیص الجیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (مولفہ ابن حجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۳ھ) اور نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار از محمد بن علی الشوکانی (المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ) سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

افسوس! مولانا نے اس کتاب میں دقت نظر سے کام نہیں لیا یہی وجہ ہے کہ صفحہ صفحہ سے بے جا روایت پرستی کی بو آتی ہے۔

(۲۴) وحید اللغات یہ اردو زبان میں حدیث کی نہایت جامع اور مبسوط لغت ہے جو متوسط تقطیع کی ۲۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے سنہ ۱۳۲۶ھ (مطابق سنہ ۱۹۰۸ء) میں مطبع احمدی لاہور سے اس کی ابتدائی پانچ جلدیں شائع ہوئیں، پھر مولف نے نظر ثانی کے بعد سنہ ۱۳۳۴ھ میں بنگلور سے چھپوا کر شائع کیں، اس کتاب کی تالیف، کتابت اور طباعت کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

سنہ ۱۳۲۴ھ (مطابق سنہ ۱۹۰۶ء) سے تالیف کا آغاز ہوا اور سنہ ۱۳۳۲ھ (مطابق سنہ ۱۹۱۴ء) میں کتابت شروع ہوئی، سنہ ۱۳۳۴ھ (مطابق سنہ ۱۹۱۶ء) سے طبع ثانی کا آغاز ہے۔

جب مولانا وحید الزماں صحاح ستہ کے ترجمہ اور قرآن مجید کی تفسیر سے فارغ ہوئے تو یہ خیال ہوا کہ اب حدیث کی اردو میں ایک ایسی لغت تیار کی جائے جس سے کم استعداد لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ سنہ ۱۳۲۴ھ کے اوائل میں حدیث کی یہ لغت لکھنا شروع کی، جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"اب شروع سنہ ۱۳۲۴ھ سے باوجود اس کے کہ میں کمال نقاہت اور ضعف پیری اور امراض مختلفہ میں گرفتار تھا لیکن اس پر بھی اوقات کو خالی گذارنا مشکل معلوم ہوا اور بالہام غیبی یہ حکم ہوا کہ ایک کتاب لغات حدیث میں بزبان اردو مرتب کر اور اس میں جہانتک ہو سکے فریقین یعنی اہل سنت اور امامیہ کی حدیثیں جمع کر تاکہ حدیث شریف کے تمام طالبین کو شرح کا کام دے اور جس لفظ کے معنی میں ان کو اشکال پیدا ہو وہ اس کتاب میں دیکھ کر اپنا اشکال رفع کر لیں۔ اس کتاب کا نام تاریخی میں نے انوار اللغہ ملقب بہ وحید اللغات رکھا تھا۔"

(۱۳۲۴ھ)

مولانا نے جب یہ لغت لکھنا شروع کی اس وقت آپ کا بڑھاپا تھا، طرح طرح کے عوارض لاحق ہو گئے تھے اس دوران میں جب بیمار ہوئے تو خدا سے یہی دعا کی کہ بارالہا اتنی زندگی اور عطا کر کہ یہ کام پورا کر لوں

اور اس کی طباعت اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں لیکن اگر وقت آجائے اور کتاب پایۂ تکمیل تک نہ پہنچے تو اہل علم سے استدعا ہے کہ وہ اس کو مکمل کردیں، چنانچہ ایک موقعہ پر لکھتے ہیں:۔

"جب سرکار نظام نے مجھ کو خدمت سے علیحدہ کردیا تو میں نے یہی دعا اعطانی ربی اثنتین وذوی مینی واحدۃ الخ) کی اللہ تعالیٰ نے یہ علیحدگی اس کا باعث کردی کہ میں صحیح بخاری شریف کے ترجمہ اور شرح میں مشغول ہوا اور اس کے فضل وکرم سے اس کو اتمام کو پہنچایا جس کا نام "تیسیر الباری" ہے اس کے بعد "تفسیر موضحۃ الفرقان" تمام کرائی اور اس کے بعد "تبویب القرآن" اب دو کتابیں زیر تالیف ہیں، "ہدیۃ المہدی من الفقہ المحمدی" اور "انوار اللغۃ"۔ حق تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ گو میں ضعیف اور ناتواں ہوں وہ ان دونوں کتابوں کو بھی میری زندگی میں کامل کرادیگا۔ اگر احیاناً حیاتِ مستعار نے وفا نہ کی اور سفر آخرت درپیش آیا تو میری وصیت اہل حدیث بھائیوں کو یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کو پورا کردیں۔ وعلی اللہ التوکل وبہ الاعتصام۔"[1]

مگر الحمد للہ مولانا کی دعا قبول ہوئی، موصوف ہی نے ان کو مکمل کیا اور چھپوایا۔ اس امر کا ہمیں قطعی ثبوت نہیں ملتا کہ مولانا نے یہ عظیم الشان کام کتنی مدت میں انجام دیا، تاہم بعض ایسے شواہد ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اس کی تکمیل پانچ سال کے عرصہ میں کی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں۔

"اس وقت جب میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، رجب کی دوسری تاریخ یوم دوشنبہ ۱۳۲۵ھ ہے اور اب تک حضرت عیسیٰ نہیں اترے، نہ ابھی تک شام اور قسطنطنیہ پر نصاریٰ قابض ہوئے ہیں، گو مسلمانوں کی اکثر حکومتیں دوسروں نے چھین لی ہیں اور باستثنائے سلطانِ روم اور شاہِ ایران مسلمانوں کا کوئی مختار بادشاہ نہیں رہا ہے۔"[2]

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک سال میں چھ پارے نہایت آسانی سے لکھ لیتے تھے لہذا ۲۸ پاروں کی تکمیل میں پانچ سال سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ جب حروفِ تہجی میں سے کوئی حرف مکمل ہوجاتا یعنی ایک جلد پوری ہوجاتی تو وہ شیخ احمد مالک مطبع احمدی لاہور کو چھپنے کے لئے بھیجدی جاتی تھی اس طرح وحید اللغات کی ۲۸ جلدوں کا مسودہ شیخ احمد کے پاس بھیجا جاتا رہا۔ یہ شیخ احمد وہی ہیں جنھوں نے تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری کے اس سے قبل پورے تیس پارے ایک ایک پارہ کر کے چھاپے تھے انھوں نے اس عظیم الشان لغت کی طباعت کا بھی وعدہ کیا تھا چنانچہ آپ نے کتاب مذکور کا پورا مسودہ بلا کسی معاوضہ کے طباعت اور اشاعت کے لئے ان کے پاس پہنچادیا تھا مگر وہ ابتدائی پانچ

---

[1] وحید اللغات مادہ "ذوی" ۱۲

جلدیں چھاپ کر رہ گئے۔ جو جلدیں چھاپیں وہ بھی ناتمام اور پھر ان میں بھی صحت کا التزام نہیں جس نے اس کی افادیت ہی ختم کر دی تھی۔

جب شیخ احمد کسی وجہ سے کتاب کا سلسلۂ طباعت قائم نہ رکھ سکے تو مولانا کا تقاضا ہوا، انہوں نے مولانا کو اطمینان دلا دیا کہ کتاب چھپ جائے گی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ طباعت کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا ادھر مولانا کا پیہم تقاضا ہوتا رہا آخر آٹھ دس برس کے بعد وہ مسودہ مولف کو واپس بھیجا مولانا اس داستانِ غم کو اس طرح لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۹۰۷ء میں جس کو تقریباً نو دس سال کا عرصہ ہوتا ہے، میں نے ایک کتاب انوار اللغۃ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہل سنت ہے، بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی شیخ احمد صاحب لاہوری مالک مطبع احمدی لاہور نے وہ کتاب طبع کرنے کے لئے مجھ سے منگوائی اور اقرار یہ کیا کہ ہر ماہ میں ایک جلد اس کی چھاپیں گے۔ ساری کتاب بعدد حروف تہجی ۲۸ جلدوں میں تھی لیکن افسوس کہ صاحب موصوف نے اپنے وعدے کو وفا نہ کیا، صرف پانچ جلدیں چھاپ کر رہ گئے فقیر تقاضے پر تقاضے کرتا رہا مگر صدائے بر نخاست، نو دس سال اسی حیص بیص میں گزر گئے۔ آخر فقیر نے مجبور ہو کر ان کو لکھا کہ اگر آپ حسب وعدہ یہ کتاب نہیں چھاپ سکتے تو میرا مسودہ واپس کر دیجئے تا کہ میں دوسرے کسی مطبع میں چھپوالوں، متعدد تحریرات اور مراسلات اس بارے میں لکھے مگر جواب ندارد، خیر بعد از تقاضائے بسیار و تحریراتِ بیشمار صاحب موصوف نے اصل مسودہ واپس کر دیا اور فقیر نے اس کی باقی جلدوں کو اس وجہ سے کہ حیاتِ مستعار کا اعتبار نہیں بنگلور میں چھپوانا شروع کر دیا۔ پہلی پانچ جلدیں جو صاحب موصوف نے چھاپی تھیں اول تو ناقص دوسرے اغلاط سے مالامال[1]"

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، اس تعویق سے دو فائدے خوب ہوئے جو شاید پہلے نہ ہو سکتے تھے (۱) نظر ثانی کا موقعہ ملا، (۲) اضافہ خوب ہوا جس سے اس کی افادیت ہی نہیں بڑھ گئی بلکہ اس میں جامعیت بھی آگئی۔ چنانچہ مولانا کو جب اصل مسودہ مل گیا تو آپ نے اس پر از سر نو کام شروع کیا جو خامیاں رہ گئی تھیں ان کو دور کیا جہاں اضافہ مناسب سمجھا وہاں اضافہ کیا، یہ اضافہ اتنا ہوا کہ اصل مسودہ سے بھی دگنا ہو گیا جس سے کتاب کی جامعیت اور افادیت اور بڑھ گئی اور اس کا نام انوار اللغۃ کے بجائے اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات رکھا چنانچہ پہلے انوار اللغۃ کی جو دوسری جلد چھپی تھی اس میں کتاب الباء کے باب الباء مع الہمزہ میں حسب ذیل آٹھ مادے تھے۔

---

[1] وحید اللغات پارہ ۱ ص ۲ مطبع فیض عام بنگلور سنہ ۱۳۳۴ھ۔

(باءُ) (باءَ) (بُؤبُؤ) (باس) (بابِل) (بابُوس) (باءة) (بالام)

جب نظر ثانی کی ہے تو اس پر گیارہ مادوں کا اور اضافہ کیا جس کی ترتیب درج ذیل ہے:-

(ب) (بابَّة) (بابا) (بُؤبُؤ) (بابُوس) (بابونج) (باج) (بادروج) (بادزهر) (باذنجان) (بار) (باس) (بابل) (بابلی) (بابوس) (باءة) (بالام) (باو) (باة)-

اسی طرح انوار اللغہ میں باب البار مع البار میں صرف دو لفظ ہیں ببّانٌ اور ببّۃٌ لیکن وحید اللغات میں تین لفظوں کا اور اضافہ کیا لہٰذا باب البار مع البار میں اب پانچ لفظ ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:-

(ببّ) (ببّانٌ) (بِباجٌ) (ببرٌ) (ببغاء)

یہ صرف مادہ اور الفاظ کے اضافہ کی مثال ہے اسی طرح معنی اور عبارت میں بھی تغیر و تبدل، ترمیم اور اضافہ ہوا اور معنی کے نقل کرنے میں بھی اختصار نہیں کیا گیا۔ مثلاً انوار اللغہ میں لفظ باء کے یہ معنی لکھے تھے:-

(باءُ): حرف جر ہے اور چودہ معنی میں مستعمل ہوتا ہے، جیسے الصاق اور تعدیہ اور ملابست اور استعانت اور سببیت اور مصاحبت اور ظرفیۃ وغیرہ اور من اور عن اور مع کے معنی میں بھی،

وحید اللغات میں اس کے معنی اس طرح لکھے ہیں:-

ب:- حروف تہجی کا دوسرا حرف ہے اور اس کا عدد حساب جمل میں دو ہے، یہ حرف جر ہے اور چودہ معانی میں مستعمل ہے، الصاق حقیقی اور مجازی جیسے اَمْسَكْتُ بِزَيْدٍ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ تعدیہ جیسے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ، استعانت جیسے كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ، سببیۃ جیسے ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ، مصاحبت جیسے اِذْهَبْ بِسَلَامٍ اَیْ مَعَ سَلَامٍ ظرفیۃ جیسے نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (بدلیۃ، مقابلہ، مجاوزۃ، استعلاء، تبعیض، قسم، غایۃ، توکید اور تفصیل کتب نحو میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح انوار اللغہ میں لفظ "بُؤبُؤ" کے معنی یہ مذکور ہیں:-

(بُؤبُؤ)۔ اصل، سردار، عقلمند، آنکھ کی پتلی۔ بَأْبَأَ الصَّبِیَّ میں نے بچہ سے یوں کہا تجھ پر میرے ماں باپ صدقے، بَأْبَأَ الصَّبِیُّ بچے نے بابا کہا، اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَأْبَأَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن اور امام حسین سے فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔

وحید اللغات میں اس لفظ کی تشریح یوں کی ہے:-

(بُؤْ بُؤٌ) اصل۔ سردار، ظریف، زیرک، عقلمند، سرمہ دانی کا سر، ٹڈی کا بدن، آنکھ کی پتلی، ہر چیز کا درمیانی حصہ، وسط، هُوَابْنُ بُجْدَتِهَا وَبُؤْبُؤُهَا، وہ اس کا خوب جاننے والا اور پہچاننے والا ہے (یہ ایک محاورہ ہے) إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَأْبَأَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، آنحضرتؐ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا تم پر میرے ماں باپ صدقے جائیں۔ بَأْبَأَ الرَّجُلُ، آدمی دوڑا۔

انوار اللغہ میں باب الباء مع الباء کے اندر صرف دو لفظ بَبَّانٌ اور بَبَّةٌ[1] ذکر کئے ہیں اور یہ معنی لکھے ہیں:۔

بَبَّانٌ۔ طریقہ، روش لَوْلَا أَنْ أَتْرُكَ اٰخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا وَّاحِدًا مَا فُتِحَتْ عَلَيَّ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ پچھلے لوگ (جو آئندہ مسلمان ہوں گے) یک لخت مفلس اور محتاج رہیں گے تو جو ملک فتح ہوتا میں اس کو جاگیر کے طور پر فتح کرنے والوں کو بانٹ دیتا بعضوں نے اس کو بَيَّانٌ یائے تحتانیہ سے پڑھا ہے۔

وحید اللغات میں اس لفظ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

بَبَّانٌ۔ طریقہ، روش، قسم، بَبَانٌ (بہ تخفیف کے بھی یہی معنی ہیں) إِنْ عِشْتُ فَسَأَجْعَلُ النَّاسَ بَبَّانًا وَّاحِدًا (حضرت عمرؓ نے کہا) اگر میں جیا تو عنقریب لوگوں کو ایک طریق و روش پر کر دوں گا، (یعنی سب کا معاش اور ماہوار تنخواہ برابر کر دوں گا، پہلے وہ مہاجرین اور اہل بدر کو زیادہ معاش دیا کرتے تھے) لَوْلَا أَنْ أَتْرُكَ اٰخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا وَّاحِدًا مَا فُتِحَتْ عَلَيَّ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ پچھلے لوگ (جو آئندہ مسلمان ہوں گے) یک لخت مفلس اور محتاج رہیں گے تو جو ملک فتح ہوتا میں اس کو (جاگیر کے طور پر) فتح کرنے والوں کو بانٹ دیتا، بعضوں نے اس کو بَيَّانٌ یائے تحتانیہ سے پڑھا ہے) لَئِنْ عِشْتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأُلْحِقَنَّ اٰخِرَ النَّاسِ بِأَوَّلِهِمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا بَبَّانًا، اگر میں آئندہ اور زندہ رہا تو پچھلے لوگوں کو ان کے اگلوں سے ملا دوں گا یہاں تک کہ وہ بالکل ایک قسم کے ہو جائیں گے (یعنی سب کو برابر وظیفہ وغیرہ دینا شروع کر دوں گا۔)

اسی طرح لفظ بَبَّہ کا حال ہے۔ انوار اللغہ میں لکھتے ہیں:۔

بَبَّةٌ۔ جوان موٹا، ہٹا کٹا، أَلَسْتَ بَبَّةً کیا تو بَبَّہ نہیں ہے۔ یہ لقب عبداللہ بن حارث بن نوفل ابن حارث بن عبدالمطلب کا ہے جو بصرہ کا والی تھا، ان کی ماں بچپنے میں ان کو نچاتی تھیں اور کہتی

---

[1] انوار اللغہ میں بَبَّةٌ مؤخر ہے اور بَبَّانٌ مقدم ہے ہم نے بھی ان الفاظ کو یہاں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے لیکن وحید اللغات میں ترتیب بالعکس ہے اور یہی ترتیب اقرب اور احسن ہے۔

تھیں لَاُنْکِحَنَّ بَبَّۃَ جَارِیَۃً خِدَبَّۃً۔ میں بَبَّہ کی شادی ایک موٹی ہٹی کٹی چھوکری سے کروں گی۔

اسی لفظ کی تشریح وحید اللغات میں اس طرح کی ہے :۔

بَبٌّ : موٹا لڑکا۔ بَبَّۃ : جوان، موٹا، ہٹا کٹا اور بچہ کا پہلا بول، نادان بھاری بھرکم، اَلَسْتَ بَبَّۃَ کیا تو بَبَّہ نہیں ہے (یہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا لقب ہے جو بصرے کے والی تھے، ان کی ماں بچپنے میں ان کو نچاتی تھیں اور کہتی تھیں لَاُنْکِحَنَّ بَبَّۃَ جَارِیَۃً خِدَبَّۃً۔ میں بَبَّہ کی شادی ایک موٹی ہٹی کٹی چھوکری سے کروں گی۔ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا اَقْبَلَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الْحَارِثِ جَاءَ بَبَّۃُ۔ جب عبداللہ بن حارث سامنے آتے تو ابن عمرؓ فرماتے بَبَّہ آگیا (بطور لقب)۔

ان مذکورہ بالا امثلہ سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انوار اللغہ اور وحید اللغات میں کتنا تغیر و تبدل اور کتنا اضافہ اور ترمیم ہوئی ہے۔ ہم نے امثلہ میں اختصار کا خیال رکھا ہے ورنہ لمبی تشریحات میں بھی اضافے کی یہی نوعیت ہے۔

یہ لغت عربی کی نہایت مستند لغتوں سے مدون کی گئی ہے جیسا کہ آغاز کتاب میں لکھتے ہیں :۔

"اس کی تالیف میں مفصلہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی تھی :۔

نہایہ ابن الاثیر، مجمع البحار، قاموس المحیط، صحاح جوہری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الدرالنثیر فی تلخیص النہایہ، الغریبین، الفائق، المغرب، شرح النہج العجیب، لسان العرب وغیرہ اور اس کے اٹھائیس پارے بعدد حروف تہجی کئے گئے تھے۔"

مولانا نے جن لغت کی کتابوں کا نام لیا ہے بلا شبہ ان سب سے فائدہ اٹھایا ہے، لیکن یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نقل لغت میں کن کتابوں کو مدار قرار دیا ہے اور انتخابِ الفاظ میں کن اصول کو برتا ہے اور کس طرح برتا ہے تاکہ کسی لفظ کے شبہ کی صورت میں اصل کی طرف مراجعت کر لی جائے، خلجان اور شبہ جاتا رہے :

مولانا نے لغت کے عام الفاظ محیط المحیط سے نقل کئے ہیں حدیث کی لغت کی جو تشریح مجمع بحار الانوار مؤلفہ محمد بن طاہر فتنی، نہایہ ابن الاثیر اور اس کی تلخیص، الدرالنثیر میں کی گئی ہے وہ بے کم و کاست آپ نے اس لغت میں سمو دی ہے۔ الفائق زمخشری کا بیشتر حصہ اردو میں منتقل کر دیا ہے چونکہ ان ائمہ لغت نے حدیث امامیہ کی لغت کے نقل کرنے کا التزام نہیں کیا ہے اس لئے فرقہ امامیہ کی حدیث کی لغات انہی کی کتابوں سے نقل کی ہے اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ فائدہ مجمع البحرین و مطلع النیرین

مولفہ فخر الدین الطریحی النجفی (المتوفی ۱۰۸۵ھ) سے اٹھایا ہے۔

مولانا نے نقل لغت اور اس کی تشریح میں چند امور کا ہر جگہ لحاظ رکھا ہے:-

(۱) ایک لفظ کے جتنے معنی ان ائمہ لغت نے نقل کئے ہیں وہ سب لکھتے ہیں۔

(۲) حدیث میں جہاں وہ لفظ آیا ہے اس فقرے کو نقل کرتے ہیں، اس کا ترجمہ کرتے ہیں اس کے مفہوم اور مطلب کو بیان کرتے ہیں۔

(۳) الفاظ کی صرفی تعلیل بھی بتاتے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں حدیث کی تاویل اور توجیہ بھی لکھتے ہیں۔

(۵) اختلافی مسائل میں ائمہ اربعہ کے مذاہب بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۶) اہل لغت کے فروگذاشت اور تسامح کو جا بجا بیان کرتے ہیں ان کی لغزشوں پر تنبیہ کرتے ہیں جیسا کہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"صاحب مجمع سے بہت اور صاحب نہایہ سے کم مسامحات ہوئے ہیں یعنی جس لغت کو اس کے صحیح باب میں بیان کرنا تھا وہاں بیان نہ کرکے دوسرے باب میں بیان کر دیا ہے، شاید ناظرین کی آسانی کے خیال سے انھوں نے ایسا کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبوں کو اجر عظیم دے، انھوں نے فراہمی لغات میں بڑی محنت اٹھائی ہے، میں نے اس کتاب میں باتباع ہر دو صاحبان مذکورین کے ہر لغت اسی باب میں بیان کر دیا ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے مگر اکثر مقامات میں اس کے ساتھ ہی یہ اشارہ کر دیا ہے کہ یہ لغت فلاں باب میں بیان کرنا تھا۔"

جیسے صاحب مجمع بحار الانوار نے اِبْرِدَةٌ کو باب الہمزۃ مع الباء میں لکھا ہے حالانکہ یہ اپنے مادہ "بَرَدَ" یعنی باب الباء مع الراء میں بیان ہونا چاہئے تھا، اسی طرح اُبْلُمَۃٌ کو مادہ "بَلَمَ" کے تحت ذکر کرنا چاہئے تھا، اَجْنَادٌ کو "جُنْد" میں آنا چاہئے تھا، ایسے ہی احابیش کو حبش کے مادہ اور اَرْبَعَ کو رَبَعَ کے مادہ میں جانا چاہئے تھا۔ اسی طرح اَرْذَل کو رَذَل میں، اُرْجُوَان کو "رجن" اور اُدْحُوحَۃٌ کو دحح کے تحت مذکور ہونا چاہئے تھا۔ مگر ان سب کو باب الالف میں بیان کیا گیا، یہی وہ تسامح اور فروگذاشت ہیں جن کی طرف مولانا نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

مولانا کا یہ خیال کہ اس قسم کی فروگذاشتیں صاحب مجمع البحار سے زیادہ اور صاحب نہایہ سے کمتر ہوئی ہیں، ایسا نہیں ہے بلاشبہ محمد بن طاہر فتنی (المتوفی ۹۸۶ھ) نے بہت سے الفاظ کو ان کے اصلی مقام کے علاوہ دوسری جگہ بھی بیان کیا ہے اور مقدمہ میں اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی مگر اس امر کی تصریح

کی ہے کہ ہم نے اس کتاب میں نہایہ کا تتبع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ صاحب نہایہ کی تقلید کا نتیجہ ہے
رہا یہ سوال کہ علامہ ابن الاثیر نے ایسا کیوں کیا؟ ابن الاثیر نے جہاں یہ بے قاعدگی کی ہے وہاں اس
کی وجہ بتائی ہے اور اس لفظ کے غیر مقام پر بیان کرنے سے جو شبہ قاری کو پیدا ہو سکتا تھا اس کا بھی
ازالہ کیا ہے، چنانچہ لفظ اِبْرِدَۃٌ پر لکھتے ہیں :-

الابردۃ بکسر الھمزۃ والراء علۃ معروفۃ من غلبۃ البرد والرطوبۃ یفتر عن الجماع وھمزتھا زائدۃ - انما اوردناھا ھھنا حملاً علی ظاھر لفظھا فیہ	اِبْرِدَۃٌ میں ہمزہ اور رے دونوں پر زیر ہے یہ ایک مشہور بیماری ہے جو برودت اور رطوبت کے غلبہ سے پیدا ہوتی ہے اور مجامعت سے باز رکھتی ہے، اس کا ہمزہ زاید ہے (ہمارے باب الالف مع الباء میں داخل کرنے سے یہ نہ سمجھنا کہ اس کا ہمزہ اصلی ہے) ہم نے اس کو ظاہر لفظ کے اعتبار سے یہاں بیان کر دیا ہے۔

اسی طرح لفظ اُبُلُمۃ پر لکھتے ہیں :-

الابلمۃ بضم الھمزۃ واللام وفتحھما وکسرھما خوصۃ المقل وھمزتھا زائدۃ وانما ذکرناھا ھھنا حملاً علی ظاھر لفظھا۔	اُبُلُمَۃ کے ہمزہ اور لام دونوں پر پیش ہے نیز دونوں پر زیر اور زبر کے ساتھ بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں گوگل کا پتہ، اس کا بھی ہمزہ زائد ہے، ہم نے لفظ کے ظاہر کو دیکھ کر یہاں بیان کر دیا ہے۔

امام ابن الاثیر نے محض طالب کی سہولت کی غرض سے ایسا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کو دوبارہ اس کے
مادہ میں بھی ذکر کیا ہے، ایک جگہ نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ اگر ایسے الفاظ کو ان کے بارے میں بیان نہیں
کیا جاتا یا مادہ میں اس لفظ کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا کہ یہ لفظ ماسبق میں گذر چکا ہو جیسا کہ محمد طاہر فتنی نے
کیا ہے تو بجا طور پر تسامح قرار دیا جا سکتا تھا۔

جہاں مولانا اہل لغت کی لغزش پر تنبیہ کرتے ہیں۔ وہاں حقیقت میں مولانا کی اپنی غلطی ہوتی ہے چنانچہ
جہاں بھی ایسا کیا ہے ٹھوکر کھائی ہے مثلاً لفظ "اطوم" پر لکھتے ہیں :-

"اُطُوْمٌ کچھوا یا وہ مچھلی جس کی کھال سخت اور موٹی ہو (اور صاحب نہایہ نے جو اُطُوم کے معنی زرافہ
لکھے ہیں اور صاحب مجمع نے ان کی تقلید کی ہے یہ وہم ہے۔ زرافہ تو ایک جنگلی جانور ہے جو افریقہ میں
بہت ہوتا ہے) وَجِلْدُھَا مِنْ اُطُوْمٍ لَا یُؤَیِّسُہٗ، اس کی کھال اطوم کی ہے اس پر اثر نہیں کرتا"
اطوم کے معنی زرافہ کے ابن الاثیر سے تمام اہلِ لغت نے نقل کیے ہیں اور کسی نے اس معنی پر کلام نہیں کیا۔

پھر اس کی صحت میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ ابن منظور الافریقی (المتوفی ۷۱۱ھ) "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:۔

وقصیدۃ کعب بن زہیر یمدح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وجلدھا من اطوم لایؤیسہ قال ابن الاثیر الاطوم۔ الزرافۃ یصف جلدھا بالقوۃ والملاسۃ۔ لایؤیسہ لایؤثر فیہ۔[1]

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) نے بھی اس معنی کو نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

الاطوم الزرافۃ عن ابن الاثیر۔[2]

لہٰذا مولانا کا اس کو وہم قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس کے یہ معنی بھی اہل لغت سے ثابت ہیں۔ البتہ ائمہ لغت کا نقل لغت میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کو آپ نظر انداز کر دیتے ہیں اور ہمیشہ نہایت صاف اور نکھری ہوئی بات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح موصوف نے ان باتوں کے نقل کرنے سے بھی گریز کیا ہے جن کو اہلِ لغت نے کسی معنی کے ثبوت میں بطور شواہد نقل کیا ہے یا کسی معنی کے ثبوت میں متعدد مثالیں بیان کی ہیں کیونکہ ان باتوں کا نقل کرنا اس کی افادیت کو محدود کرنا تھا۔

مولانا نے لغت کے عام الفاظ کے انتخاب میں محیط المحیط کو پیش نظر رکھا ہے اس لئے کہ یہ لغت کی مستند اور اہم کتابوں کا حسنِ انتخاب ہے۔ اس میں نہ اختصار و ایجاز ہے نہ بیجا تطویل و اطناب، بلکہ اس کے مؤلف نے اعتدال کو کہیں اس میں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ اس کی ترتیب بھی مادہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی ہے اور آخر حروف پر نہیں ہے جیسی کہ صحاح اور قاموس وغیرہ کی ہے محیط المحیط کو بھی ہر جگہ مِن وعن نقل نہیں کرتے بلکہ نہایت خوش اسلوبی سے اس کی تلخیص کر لیتے ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل امثلہ سے ہو سکتا ہے۔ پہلے کالم میں محیط المحیط کی عبارت ہے اور دوسرے کالم میں وحید اللغات ہے:۔

محیط المحیط	وحید اللغات
الباء ھی الحرف الثانی من حروف المبانی۔۔	(ب) حروف تہجی کا دوسرا حرف ہے اور اس کا
... الباء فی حساب الجمل عبارۃ من ۲ ...	عدد حساب جمل میں دو ۲ ہے، یہ حرفِ جر ہے
ب حرف جر ... وھی تاتی لاربعۃ عشر معنے	اور چودہ ۱۴ معانی میں مستعمل ہے، الصاق حقیقی و
اولھا الالصاق حقیقۃ نحو امسکت بزید	مجازی جیسے ذھب اللہ بنورھم، استعانت
او مجازا نحو مررت بزید ..... والثانی	جیسے کتبت بالقلم، سببیۃ جیسے

[1] لسان العرب مادہ "اطم" طبع بولاق ۱۲۹۹ھ

[2] تاج العروس۔ مادہ "اطم" مطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ۔

التعدیۃ ۔۔۔۔ نحو ذھب اللہ بنورھم ۔۔۔ والثالث الاستعانۃ ۔۔ نحو کتبت بالقلم والرابع السببیۃ نحو ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل والخامس المصاحبۃ ۔۔۔ ۔۔۔ نحو اذھب بسلام ای مع سلام و السادس الظرفیۃ ۔۔۔ نحو ولقد نصرکم اللہ ببدر والسابع البدل ۔۔۔ والثامن المقابلۃ والتعویض ۔۔۔ والتاسع المجاورۃ ۔۔۔ العاشرۃ الاستعلاء ۔۔۔ الحادی عشر التبعیض ۔۔۔ والثانی عشر القسم ۔۔ ۔۔۔ والثالث عشر الغایۃ ۔۔۔ الرابع عشر التوکید ۔۔۔[1]

ظلمتم انفسکم باتخاذکما لعجل، مصاحبت جیسے اذھب بسلام ای مع سلام ظرفیۃ جیسے نصرکم اللہ ببدر بدلیہ، مقابلہ، مجاورہ، استعلاء، تبعیض، قسم، غایۃ، توکید، اور تفصیل کتب نحو میں ملاحظہ فرمائیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

نقل لغت میں حدیث کے جو الفاظ درمیان میں اضافہ کرتے ہیں وہ حدیث کی لغتوں سے نقل کرتے ہیں، جس کی مثال یہ ہے:۔

البابا، الاب بلسان الاطفال ۔۔۔ وجمعہ باباوات بَأْبَأَ الولد قال بَأْبَأْ وبأبأہ وبَأْبَأَبِہ قال لہ بابی انت، وتَبَأْبَأَ الرجل عدا، البُؤْبُؤُ الاصل والسید الظریف وانسان العین و وسط الشئ، البأبأ والبؤبؤ العالم یقال ھو ابن بجدتھا وبؤبؤھا ای عالم وخبیر بھا والضمیر للامور۔

بابا: بچوں کی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ کسی کو بِأَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ کہنا یعنی تجھ پر میرے ماں باپ صدقہ ہو جائیں) اس کی جمع ہے باباوات، بَأْبَأَ الْوَلَدُ۔ بچہ نے بابا کہا بَأْبَأَبِہٖ۔ اس سے یوں کہا میرے ماں باپ تجھ پر صدقہ۔ بُؤْبُؤٌ، اصل، سردار ظریف زیرک عقلمند، سر مردانی کا سر ٹڈی کا بدن، آنکھ کی پتلی، ہر چیز کا درمیانی حصہ، وسط ھُوَابْنُ بَجْدَتِھَا وَبُؤْبُؤُھَا وہ اس کا خوب جاننے والا اور پہچاننے والا ہے (یہ ایک محاورہ ہے) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَأْبَأَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ آنحضرت نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا تم پر میرے ماں باپ صدقے جائیں۔ بَأْبَأَ الرجلُ: آدمی دوڑا۔

[1] محیط المحیط ج ۱ ص ۵۸۔

اس عبارت کے آخر میں جو اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَأْبَأَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ کا اضافہ ہے یہ چونکہ فرقہ امامیہ کی حدیث سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا ذکر الفائق، النہایہ اور مجمع بحارالانوار میں نہیں ہے اور "مجمع البحرین ومطلع النیرین" سے منقول ہے چنانچہ "مجمع البحرین" میں ہے :-

روی من طریق الخاصۃ والعامۃ ان النبی بأبأ الحسن والحسین وکذا علیؑ وذلک من بأبات الصبی اذ قلت بأبی انت وامی ای مفدی بھما اوفدیتک بھما۔ [1]

اس عبارت کا ترجمہ اور خلاصہ وحید اللغات میں یہ ہے: اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَأْبَأَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ آنحضرتؐ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا، تم پر میرے ماں باپ صدقے جائیں .... کسی کو بِأَبِی أَنْتَ وَأُمِّی کہنا یعنی تجھ پر میرے ماں باپ صدقہ ہو جائیں۔

*

اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے جس میں حدیث شریف کی تشریح الفائق اور النہایہ وغیرہ سے منقول ہے۔

محیط المحیط میں ہے :-

الببُّ الباج والغلام السمین ویقال ھم بَبَّانٌ واحد وعلی بَبَّانٍ واحد ویُخَفَّفُ ای طریقۃ ومنہ قول عمر اِنْ عِشْتُ فَسَأَجْعَلُ النَّاسَ بَبَّانًا وَاحِدًا۔ یرید التسویۃ فی القِسم وکان یفضّل المھاجرین واھل بدر فی العطاء۔ البَبّۃ حکایۃ صوت الولد فی اول تلفظہ والشاب الممتلی۔ [2]

وحید اللغات میں ہے

بَبٌّ، موٹا لڑکا، ... بَبَّان طریقہ، روش، قسم، بَبَان (بہ تخفیف کے بھی یہی معنی ہیں) اِنْ عِشْتُ فَسَأَجْعَلُ النَّاسَ بَبَّانًا وَاحِدًا (حضرت عمرؓ نے کہا) اگر میں جیا تو عنقریب لوگوں کو ایک طریق و روش پر کردوں گا (یعنی سب کا معاش اور ماہوار تنخواہ برابر کردوں گا، پہلے وہ مہاجرین اور اہلِ بدر کو زیادہ معاش دیا کرتے تھے) بَبَّۃٌ۔ جوان، موٹا تاکٹا اور بچہ کا پہلا بول، نادان، بھاری بھرکم،

*

اس میں محیط المحیط پر جو اضافہ ہے وہ الفائق اور النہایہ سے ماخوذ ہے۔ ہم ان دونوں کو اسی ترتیب سے یہاں نقل کرتے ہیں :-

الباء مع الباء

بَبَّان: عمر رضی اللہ عنہ لئن عشتُ اِلی قابِلٍ لَاُلحِقَنَّ اٰخِرَ النَّاسِ لَئِنْ عِشْتُ اِلٰی

---

[1] مجمع البحرین مطلع النیرین طبع تبریز ج ۱ ص ۹ ۱۲۷۴ھ [2] محیط المحیط ج ۱ ص ۶۱ - ۱۲

قابل لا لحقن آخر الناس باولهم حتی یکونوا ببانا ای ضربا واحدا فی العطاء	باولہم حتی یکونوا ببانا، اگر میں آئندہ اور زندہ رہا تو پچھلے لوگوں کو ان کے اگلوں سے ملادوں گا۔
.... ابن عمر رضی اللہ عنہما کان یقول	یہاں تک کہ وہ بالکل ایک قسم کے ہوجائیں گے (یعنی
اذا اقبل عبد اللہ بن الحارث جاء ببة	سب کو برابر وظیفہ وغیرہ دینا شروع کردوں گا) ..
هذا صوت به فی طفولیته فلقب به و	کان یقول اذا اقبل عبد اللہ بن الحارث
کانت امه تقول فی ترقیصه لا نکحن ببه	جاء ببة جب عبد اللہ بن حارث سامنے آتے تو
جاریة خدبه۔ [1]	ابن عمرؓ فرماتے ببہ آگیا (بطور لقب)۔

النہایہ کے باب الباء مع الباء میں ہے:۔

فی حدیث عمر لولا اترك اخر الناس	لولا ان اترك اخر الناس ببانا واحدا
ببانا واحدا ما فتحت علی قریة الا	ما فتحت علی قریة الا قسمتها، اگر مجھے یہ خیال
قسمتها ای اترکهم شیئا واحدا لانه	نہ ہوتا کہ پچھلے لوگ (جو آئندہ مسلمان ہوں گے)
اذا قسم البلاد المفتوحة علی الغانمین	یک لخت مفلس اور محتاج رہیں گے تو جو ملک فتح ہوتا
بقی من لم یحضر الغنیمة ومن یجئ بعد	میں اس کو (جاگیر کے طور پر) فتح کرنے والوں کو
من المسلمین بغیر شئ منها فلذلك ترکها	بانٹ دیتا۔ ....
لتکون بینهم جمیعهم.... المعنی	....
لاسوین بینهم فی العطاء حتی یکونوا	....
شیئا واحدا لا فضل لاحد علی غیره	....
.. قال الست ببة یقال الشاب الممتلئ	الست ببة۔ کیا تو ببہ نہیں ہو (یہ عبد اللہ بن حارث
البدن نعمة وببة لقب عبد اللہ بن	بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کا لقب ہے جو بصرے
الحارث بن عبد المطلب والی البصرة	کے والی تھے، ان کی ماں بچپنے میں ان کو نچاتی تھیں اور
وکانت لقبته به فی صغره ترقصه فتقول	کہتی تھیں لا نکحن ببة جاریة خدبة میں ببہ کی
لانکحن ببة جاریة خدبه۔	شادی ایک موٹی ہٹی کٹی چھوکری سے کروں گی۔

ان مذکورہ بالا مثالوں سے مولف کے نقل لغت کا انداز، اس کی تشریح کا طریقہ اور تدوین لغت کا ڈھنگ معلوم ہوجاتا ہے۔

---

[1] الفائق طبع قاہرہ ۱۳۱۳ھ ج ۱ ص ۵۶۔

مولانا وحید الزماںؒ نے لغت کی ترتیب میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو عام طور پر اہل لغت کا ہے یعنی مادوں کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے۔ یہی انداز الفائق، النہایہ اور مجمع بحار الانوار کا ہے۔ بطرس البستانی نے بھی محیط المحیط میں اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے، یہی طریقہ سہل اور آسان ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب میں اکثر ہر لغت کو شروع سطر سے لکھا گیا ہے اور اس پر اعراب بھی دیئے گئے ہیں تاکہ کم استعداد لوگوں کو مزید آسانی ہو اور ابواب کی تنقیح اس لئے نہیں کی گئی کہ یہ کتاب عربی دانوں کے لئے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ کم استعداد ہندی بھائیوں کے لئے اور اسی لئے ترتیب لغات اس طرح سے رکھی گئی ہے کہ حرف اول کو باب اور حرف ثانی کو فصل مقرر کیا ہے۔"

مولانا نے یہ کتاب اگرچہ متوسط لوگوں کے لئے لکھی ہے اور اسی لئے اس زمانہ میں جب اعراب کے لگانے کا ہندوستان میں رواج نہ تھا اس پر اعراب بھی دیئے لیکن یہ کتاب اپنی افادیت میں مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے یکساں مفید ہے اور مترجموں کے واسطے اس کی افادیت میں تو کوئی کلام نہیں، ترجمہ عالمانہ اور بامحاورہ اردو میں ہوتا ہے جس سے عربی لفظ کا اردو مترادف نہایت آسانی سے مل جاتا ہے جو ترجمہ کرنے والوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتا۔ پھر الفاظ کی صرفی تعلیلات اس پر مستزاد اور حدیث کی شرح نور علیٰ نور۔

مولانا وحید الزماں کو چونکہ اس لغت پر نظر ثانی کا موقعہ ملا اس لئے اکثر مقامات پر بامحاورہ اردو میں نہایت عمدہ اور شاندار ترجمہ کیا ہے مثلاً مِنْ كُلِّ آبِدَةٍ اِثْنَتَيْنِ کا ترجمہ کیا ہے ہر جنگلی جانور میں سے ایک ایک جوڑا، حالانکہ اس کا ترجمہ یوں بھی درست تھا، ہر جنگلی جانور سے ایک جوڑا۔ لیکن لفظ ایک ایک کی تکرار نے جو بات پیدا کی ہے اس نے جملہ میں ایک نئی شان پیدا کردی ہے یہی مولانا کے ترجمہ کا کمال ہے۔ اسی طرح كَقَدِّ الْاُبُلْمَةِ کا ترجمہ کیا ہے جیسے گوگل کے پوست کا چراؤ، اب گوگل کے پوست کا چراؤ، كَقَدِّ الْاُبُلْمَةِ کا ایسا عمدہ ترجمہ ہے کہ داد نہیں دی جا سکتی۔ اور ملاحظہ ہو: اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ کا ترجمہ کیا ہے "میرے چھوٹے بیٹو! کنکریاں سورج نکلے تک نہ مارو۔" اور یہ بھی نہایت بہتر اور عمدہ ترجمہ ہے۔ اسی طرح ان دو بولوں کا ترجمہ کیا ہے لِلّٰهِ اَبُوْكَ "تیرا باپ خالص اللہ والا تھا۔ جب ہی تو اس نے تیرا سا بیٹا جنا۔" اس سے زیادہ رواں اور آسان ترجمہ کرنا مشکل ہے، ایسا ہی ترجمہ پھر کرتے ہیں حدیث کا ٹکڑا ہے: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّبْسُطَ اللّٰهُ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (جس کو یہ بھلا لگے کہ اللہ اس کی روزی کشادہ کرے اور اس کی عمر دراز کرے تو وہ اپنا ناطہ جوڑے۔ اصل میں اثر کہتے ہیں پاؤں کے نشان کو جو چلنے میں زمین پر پڑتا ہے، جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے پاؤں کا نشان نہیں رہتا،

اس لئے عمر کو بھی اثر کہنے لگے)، یہ ترجمہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

مولانا نے یہ لغت لکھ کر اردو داں طبقہ ہی کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اہلِ علم کو بڑی دشواریوں سے بچا لیا کیونکہ جو جامعیت اس میں پیدا کردی گئی ہے وہ تنہا حدیث کی ایک دو لغتوں میں نہیں پائی جاتی اور ہر شخص کے لئے یہ آج بھی کچھ آسان نہیں کہ وہ اس موضوع پر مستند متعدد کتابیں جمع کر سکے، لیکن تنہا یہ کتاب اس کی ضروریات کی پوری کفیل ہو سکتی ہے، اس لحاظ سے موصوف کا یہ اردو زبان میں نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے۔

مولانا کا اصلی مذاق اگرچہ لغت کا نہیں ہے لیکن جس طرح اس کام کو سرانجام دیا ہے وہ ہندوستان کے لغت نویسوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، ہندوستان اور پاکستان کی سرزمین پر ہر دور میں اہل لغت اور ادیب پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہوئے جو دین کا بڑا درد رکھتے تھے اور ان کا لغت کا مذاق بھی نہایت پاکیزہ اور بہت اعلیٰ تھا، فن لغت میں ان کی سوجھ بوجھ اور بصیرت بھی مسلم تھی، کلامِ عرب پر ان کو عبور بھی حاصل تھا، ان کے لئے سہولتیں بھی زیادہ تھیں کیونکہ لغت کی نہایت قدیم کتابیں جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں وہ چھپ کر عام ہوگئی ہیں، اگر چاہتے تو اس موضوع پر ایسا کام کر گزرتے کہ آئندہ نسلیں ان کو رہتی دنیا تک یاد کرتیں، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ کام مولانا وحید الزماں ہی کے واسطے مقدر کیا تھا انھوں نے کیا اور جتنا کر سکتے تھے اتنا کیا اور خوب کیا کاش مولانا مفردات غریب القرآن مؤلفہ امام راغب اصفہانی کا اور اضافہ کر دیتے تو اس کتاب کی افادیت اور بڑھ جاتی اور یہ کتاب حدیث کی لغات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تمام لغات پر بھی حاوی ہوتی اور اس طرح مولانا کے ہاتھوں امام راغب کی معرکۃ آرا کتاب "مفردات غریب القرآن" بھی اردو میں منتقل ہو جاتی جس کی آج بھی ضرورت باقی ہے۔

مولانا وحید الزماں کا اصلی مذاق لغت کا نہ تھا یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں غیر متعلق باتیں بھی آگئی ہیں جنھوں نے کتاب کو کشکول بنا دیا ہے۔ ان دور از کار باتوں کا تعلق آپ کے مشاہدات اور آراء سے تو ہو سکتا تھا مگر ان کو لغت سے بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی علاقہ نہ تھا لہٰذا جدید ایڈیشن میں کتاب الضاد کے پہلے کے اجزاء میں خال خال اور کتاب الضاد اور اس کے بعد کے اجزاء سے التزام کے ساتھ ایسی باتوں کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ان غیر ضروری باتوں کو کتاب میں رہنے دینے سے کتاب کی افادیت میں تو بالکل اضافہ نہیں ہوتا البتہ ضخامت اور حجم ضرور بڑھ جاتا، چنانچہ ناظرین کتاب الصاد سے اگلی جلدوں میں اس کے اندر لغت اور حدیث کی تشریح کے سوا غیر متعلق اور دور از کار باتیں نہ پائیں گے۔

مولانا نے اس لغت کی کتابت خود کی ہے اسی لئے اس میں صحت کا بڑا اہتمام اور التزام ہے مگر نظرثانی چونکہ نہ ہو سکی اس لئے کہیں کہیں فروگذاشتیں موجود ہیں، مثلاً ایک ہی لفظ کو مکرر نقل کر دیا ہے جیسے لفظ

بَابُوس کو بُؤبُؤس کے بعد بھی ذکر کیا ہے اور بَابِلیّ کے بعد بھی۔ کہیں کہیں نقل لغت میں بھی کوئی حرف قلم سے رہ گیا ہے چنانچہ بَأْبَأَ الرَّجُلُ آدمی دوڑا، حالانکہ تبأبأ الرجل کے معنی ہیں آدمی دوڑا، بَأْبَأَ الرجل، اس کے معنی ہیں آدمی نے بابا، بابا پکارا۔

مولانا وحید الزمانؒ نے جب شیخ احمد مالک مطبع احمدی لاہور سے اس کا مسودہ منگالیا تو حیدر آباد دکن ہی میں نظر ثانی شروع کی پھر مختلف تاجروں اور اہلِ خیر حضرات کو اس کی طباعت اور اشاعت کی ترغیب دی، لوگوں نے وعدہ بھی کیا لیکن موقعہ پر کترا گئے جس کا مولانا کو بڑا افسوس ہوا، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مجھ کو بنگلور میں منجملہ تاجرین دو شخص ایسے ملے جن کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے ایک ایک پیسے پر جان دیتے ہیں اور اپنے عہد اور اقرار کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے ارے بھائی کچھ تو اللہ اور رسول کا خیال رکھو۔ یہ حدیث کی کتاب چھپ رہی ہے اگر تم کو اس کی اعانت میں خفیف سا نقصان بھی ہو تو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو سمجھ لو کہ آخرت کا توشہ ہمارے ہاتھ آیا، بھلا جب نقصان بھی نہ ہو بلکہ دگنا تگنا نفع ہو یا نہ نفع ہو نہ نقصان تو کونسا مسلمان ایسا ہے جو دل سے سچا مسلمان ہو کہ وہ کار ثواب کی مدد اور اعانت نہ کرے مگر ان دو شخصوں کا دل ہرگز نہ پسیجا اور ذرے سے حطام دنیا کیلئے اپنے قول و قرار سے منحرف ہو گئے۔ خیر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے اور نیک توفیق دے[1]۔"

آخر جب کوئی صورت نہ بنی تو عالمِ پیری میں جب کہ طرح طرح کے عوارض لاحق ہو چکے تھے پھر ضعف بھی بلا کا تھا آپ نے ہر کام سے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا اور اس کی طباعت اور اشاعت کا عزم مصمم کر لیا، باوجودیکہ جنگ کا زمانہ تھا کاغذ ملتا نہ تھا اور ملتا بھی تھا تو نہایت گراں، اس کے باوجود آپ نے خریدا حالانکہ عزیزوں نے منع بھی کیا مگر آپ نہ مانے کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہ تھا کاپیاں بھی خود لکھیں اور طباعت کا کام بھی نہایت تیزی سے کرایا، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب انوار اللغۃ کے طبع میں جو جلدی میں نے کی باوجودیکہ کاغذ بوجہ جنگِ عظیم یورپ کے بہت گراں ہو گیا تھا اور میں ضعف و ناتوانی اور بیماری میں مبتلا تھا اس پر میرے عزیزوں نے مجھ پر ملامت کی مگر میں نے کسی کی بات نہ سنی اور تگنی چوگنی قیمت پر کاغذ خریدا اپنی صحت کا کچھ خیال نہ کیا صبح سے شام تک کاپی لکھنے میں گزارا۔ یہ سب محنتِ شاقہ اس لئے اٹھائی کہ حدیث کی اشاعت سے بہتر اور کار خیر اس زمانہ میں کچھ نہیں ہے اور مجھ کو یہ ڈر ہوا کہ میں عمر کے آخری حصہ پر پہنچ گیا ہوں ایسا نہ ہو کہ سفر آخرت درپیش ہو جائے اور اس کتاب کا طبع رہ جائے پھر کون

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "نمط"

طبع کرنے والا ہے صرف ایک اصل مسودہ وہ تلف ہوگیا تو میری دس بارہ سال کی محنت برباد ہوجائے گی مجھ کو مال وزر سے خوشی ہوتی ہے نہ اسباب سے نہ جائداد سے جتنی خوشی کے امور ہیں وہ سب مجھ کو ناخوش ہیں، صرف دینی کتاب کی اشاعت کی خوشی بس یہی ایک خوشی میری رہ گئی ہے اثنائے طبع میں کئی بار ایسا سخت بیمار ہوا کہ امیدِ حیات نہ رہی اُس وقت نہ مال ومتاع کا خیال آیا، نہ اولاد کا، نہ وطن کا، بس یہی افسوس کرتا رہا کہ ہائے انوار اللغہ میری زندگی میں پوری نہ چھپی اور حق تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہی دعا کی، بارے خدایا تو نے اتنی مدت طویل تک جلایا اب چند ماہ اور جلادے کہ اس کتاب کا طبع ختم ہوجائے، امید ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میری یہ دعا قبول فرمائے گا اور میں مکمل مطبوعہ انوار اللغہ اپنی حیات میں دیکھ لوں گا۔[1]"

مولانا نے جب یہ لغت چھپوانی شروع کی تو اس وقت بھی بعض لوگوں کو ان کا وعدہ یاد دلایا اس پر کسی مخلص دوست نے آپ کو لکھا کہ جس کو آپ نے لکھا ہے وہ آپ کی معاونت نہیں کریگا اس کا جواب جو آپ نے ان کو لکھا اس سے آپ کے توکل علی اللہ کی شان کا اظہار ہوتا ہے، لکھتے ہیں:۔

"جب اس کتاب کا چھپنا شروع ہوا تو میں نے ایک دنیا دار کو یہ لکھا کہ اگر تم سے کچھ اعانت ہوسکے تو کرو، یہ حال سن کر ایک صاحب نے مجھ کو لکھا کہ وہ دنیا دار تم سے صاف نہیں ہیں وہ ہرگز اعانت نہ کریں گے، میں نے ان کو جواب دیا، کیا خوب اگر وہ کچھ اعانت نہ کریں، میرا بھروسہ اللہ پر ہے نہ کہ زید اور عمرو کی اعانت پر، آخر اللہ تعالیٰ نے بلا منتِ غیر اپنے خزانۂ غیب سے اس کتاب کا مصرف طباعت پورا کرادیا۔ والحمد للہ حمداً کثیراً۔[2]"

مولانا وحید الزماںؒ نے اس کتاب کی کاپیاں بڑے شغف اور محنت سے لکھیں ہر روز بلاناغہ صبح سے عصر تک وحید اللغات کی کاپیاں لکھتے تھے حالانکہ بڑھاپا تھا اور خوراک بھی کچھ نہ تھی حقیقت یہ ہے اذا اراد اللہ شیئاً ھیّأ اسبابہ جب خدا کو کوئی کام کرانا منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے ویسے ہی اسباب بھی کردیتا ہے۔ اللہ جل شانہ کو اس کتاب کی طباعت اور اشاعت منظور تھی اس عالمِ پیری میں بھی شباب کا سا زور اور قوت بخشی۔ مولانا نے جوانی کے ایام میں بھی کبھی اس طرح تندہی سے کام نہیں کیا جس طرح اس کتاب کے لئے کیا جیسا کہ خود لکھتے ہیں:۔

"میری عمر اب ستر کے قریب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آنکھ اور کان کی قوت مثل ایامِ جوانی

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "وأدہٗ"

[2] ایضاً ۔ مادہ "تیہ"

کے ہے اور ابھی تک کئی میل چل سکتا ہوں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ صبح کے چھ بجے سے شام کے
پانچ بجے تک برابر لکھتا رہتا ہوں وہ بھی روزانہ بلاناغہ یہاں تک کہ یوم العید بھی اپنا شغل ناغہ نہیں کرتا
اور بڑے بڑے قوی اور مضبوط جوان چھ گھنٹے پیہم کتابت کرنے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ میں
گیارہ گھنٹے برابر لکھتا رہتا ہوں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء باوجودیکہ غذا میری[1]
دو پیسہ بھر چاول اور ایک پیسہ بھر آٹا ہے اور سادہ شوربا اور کسی قدر دودھ جو آدھ پاؤ سے زیادہ نہیں ہوتا۔"

(۲۵) وظیفۂ نبی با ورادِ وحیدی

یہ رسالہ متوسط تقطیع کے ۶۷ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد دکن سے تذکرۃ الوحید کے ساتھ
شائع ہوا ہے۔

یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر معارف (۱۹۲۸ء جلد ۲۲ شمارہ ۵) میں اس پر تبصرہ ہوا ہے
جو ہدیۂ ناظرین ہے:۔

"یہ رسالہ متقدمین ومتاخرین کے تمام احزاب اور وظائف کو سامنے رکھ کر ان میں ضروری اصلاح
وترمیم اور ضروریات زمانہ اور وقت کو پیش نظر رکھ کر مرتب ہوا ہے جو کل سات احزاب یا
وظائف پر مشتمل ہے، جو ہفتہ کے ہر ایک دن کے لئے جدا جدا ہیں۔"

تصحیح کنز العمال

ان تالیفات کے علاوہ مولانا وحید الزماں نے بعض نہایت اہم کتابوں کی
تصحیح کا کام بھی کیا ہے جو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستان کے نامور محدث شیخ علاء الدین علی المتقی (المتوفی ۹۷۵ھ) کی مشہور تالیف
"کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" کو جب ۱۳۱۰ھ میں دائرۃ المعارف النظامیہ
حیدرآباد دکن نے طبع کرانا چاہا تو اس کتاب کی تصحیح کے لئے اربابِ حل وعقد کی نظر انتخاب جس پر
پڑی وہ مولانا وحید الزماں کی ذات تھی، چنانچہ یہ اہم کام موصوف ہی کے سپرد کیا گیا، جس کا
اظہار ہر جلد کے خاتمہ پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

قد اعتنیٰ بتصحیح هٰذا الكتاب زبدة العلماء رأس الفضلاء قدوة
المحققين زبدة المحدثين المولوى محمد وحيد الزمان الملقب
بنواب وقار نواز جنك بهادر لا زالت شموس افادته طالعة۔

باوجودیکہ یہ نسخہ نہایت غلط تھا لیکن موصوف نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی، اس نسخہ کی

---

[1] وحید اللغات۔ مادہ "کلف"۔ ۱۲

اغلاط کا اندازہ مولانا وحید الزماں کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جو فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ وہو ھذا۔

حیث ان النسخ المنقول عنھا کانت مملوءۃ من الاغلاط قد صرفنا الجھد فی التصحیح والمقابلۃ ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا فان وجد الخطاء والزلل فیما عدا ھذہ المواضع فالمرجو الاصلاح ولا یلام الرجل من اھل الخیر علی ما فعل من الخیر ھذا والسلام۔

العبد وحید الزمان عفا عنہ المنان

مولانا وحید الزماں نے بڑی جانفشانی اور ژرف نگاہی سے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، ابتدائی جلدوں کی تصحیح کا تمامتر کام خود کیا۔ بعد میں بعض اور اہلِ علم نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ مگر موصوف اپنی وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی کے باعث اس امر میں سب سے ممتاز رہے۔ اس حقیقت کا اعتراف تمام شرکائے کار کو تھا چنانچہ جلد ہشتم کے خاتمہ پر ابوالحسن نے جو تبصرہ لکھا ہے اس میں موصوف کی اس عظیم الشان خدمت کو بایں الفاظ سراہا ہے:۔

طبع ھذا الکتاب . . . . . بتصحیح جماعۃ من العلماء اولی التحقیق والاتقان والنظر والامعان اجلھم وافضلھم علامۃ المعقول فارس میدان الفروع والاصول المولوی محمد وحید الزمان الملقب بنواب وقار نواز جنگ بھادر دام فیوضہ۔

مولانا نے چھوٹی بڑی کل کتابیں سو مجلدات کے قریب تصنیف و تالیف کی تھیں جن میں سے اکثر و بیشتر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان میں سے اہم اہم کتابوں پر تبصرہ گزر چکا۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہمیں باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) نزل الابرار من فقہ النبی المختار۔ (۲) راہِ نجات اردو۔
(۳) رپورٹ لوکل فنڈ و تاریخ ممالک محروسہ سرکار نظام حیدرآباد متعلقہ لوکل فنڈ
(۴) تقریر دلپذیر ہندو مسلمان (۵) مجموعہ قوانین مالی سرکار نظام۔
(۶) مضامین سبعہ مندرجہ رسالہ نسواں۔

بقیہ تالیفات معلوم ہوتا ہے اہلِ مطابع کے پاس رہ گئیں اور طبع نہ ہو سکیں۔

شمائل ترمذی مترجم

مع

۱۔ اردو شرح "خصائل نبوی" از مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث

۲۔ "نبوی لیل و نہار" از مولانا سعد حسن صاحب یوسفی

طول ۱۰ انچ ۔ عرض ۶½ انچ ۔ صفحات ۴۴۰

اِس کتاب میں امام ترمذی کی کتاب الشمائل کی تمام احادیث بااعراب مع ترجمہ و شرح اردو درج ہیں۔ جن میں رسول اللہؐ کی شکل و صورت، آپؐ کی سیرت و عادات، رات دن کے معمولات، لباس و طعام غرض ہر چیز کی کیفیت صحیح و مستند طریقے سے مذکور ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اس کا وِردِ زبان و حرزِ جان ہو، آپؐ کی شکل و شمائل، آپ کے عادات و خصائل، آپ کی رفتار و گفتار کا نقشہ اس کے دل میں رہے، اور اس کی آنکھوں میں پھرے

انسان وہی ہے جس کو آپ کی معرفت و محبت سے کچھ حصہ ملا ہو۔ کمال و صحیح معاشرت یہی ہے، باقی سراسر نقصان ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے — قیمت مجلد آٹھ روپے

لغات الحدیث

مؤلفہ علامہ وحید الزماںؒ

اس کتاب کا اصل نام "اسرار اللغۃ معہ انوار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات" تھا جو اب "لغات الحدیث" کے مختصر نام کے ساتھ اصح المطابع کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے۔

اُردو زبان میں عربی لغات کے ترجمہ و تشریح سے متعلق آجتک اس درجہ کی کوئی جامع لغات شائع نہیں ہوئی۔ "لغات الحدیث" کی تالیف میں النہایۃ لابن الاثیر، مجمع بحار الانوار، القاموس المحیط، الصحاح للجوہری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الفائق للزمخشری، المغرب شرح النہج العجیب اور لسان العرب جیسی معروف کتب سے مدد لی گئی ہے۔

اس عظیم الشان کتاب کی مدد سے عربی زبان کے تمام الفاظ کی دریافت کے ساتھ ساتھ جملہ احادیث اہلِ سنت و امامیہ اور آثار صحابہ پر بھی بخوبی عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔

الفاظ کے تحت احادیث و آثار مع ترجمہ و شرح مندرج ہیں۔ شائقین علمِ حدیث اور ہر مذاق کے علماء و طلبہ کے لئے ایک قابلِ قدر تحفہ ہے ـــــ یہ کتاب ۲۴ حصوں یا چھ جلدوں میں مکمل ہے۔

قیمت۔ جلد اول الف تا ح ۱۳/-، جلد دوم خ تا ز ۱۳/-، جلد سوم س تا ض ۱۳/-
جلد چہارم ط تا ف ۱۳/-، جلد پنجم ق تا م ۱۲/-، جلد ششم ن تا ی ۸/-

۶ جلدوں کی مجموعی قیمت مجلد ۷۲/- روپے

شائقین کی آسانی کے لئے الگ الگ حصص کی فروخت کا بھی انتظام ہے۔

الف	۲/-	ح	۴/-	ز	۲/-	ض	۲/۰	ف	۳/۸	م	۳/۰
ب	۲/۸	خ	۴/-	س	۴/-	ط ظ	۲/۸	ق	۴/-	ن	۴/-
ت ث	۲/-	د ذ	۳/۸	ش	۳/۸	ع	۵/۸	ک	۳/-	و	۳/-
ج	۳/-	ر	۴/-	ص	۳/۸	غ	۲/۸	ل	۲/-	ہ ی	۲/-

(مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی)